سورۂ والتین کے آئینے میں

اسرارِ تخلیقِ آدم علیہ السلام

میاں فضیل احمد حبیبی عظیمی

نورٌ علیٰ نورٍ فاؤنڈیشن

سورۂ والتین کے آئینہ میں
اسرار تخلیق آدم علیہ السلام
قلم
لوح
مقام تخلیق آدم
عرش عظیم
کرہ ارض (اسفل سافلین)
مقام ہبوط آدم
میاں فضل احمد حبیبی عظیمی
نورٌ علیٰ نورٌ فاؤنڈیشن

نام کتاب .... سورہ والتین کے آئینہ کے اسرار تخلیق آدمؑ

مصنف .... میاں فضل احمد حبیبی عظیمی

بااہتمام .... میاں عمران حبیب

سن اشاعت .... جنوری 2008

تعداد 500

صفحات 208

ہدیہ .... =/160 روپے

ملنے کے پتے

نورٌ علےٰ نورٍ فاونڈیشن

فضل پلازہ بالمقابل مسجد گلزار مدینہ رام تلائی روڈ گجرات۔

فون 0533-007570 موبائل 0322-6414463

ادارہ علم و عرفان اُردو بازار لاہور

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ جمال کرم لاہور

التماس

کتاب میں کوئی بات شریعت کے قالب سے باہر پائی جائے تو اس کو حذف کیا جا سکتا ہے۔ مطلع فرمائیں

حبیبی عظیمی

سفرِ مطالعہ کی منازل

۱ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲ بنام

۳ حضور قلندر بابا اولیاءقدس سرہٗ کے نام

۴ حضور قلندر بابا اولیاءقدس سرہٗ امت محمدیہ صلوات وتسلیمات علیہا کے ان چنیدہ
۵ اور برگزیدہ افراد میں سے ہیں، جن پاکیزہ اور مقدس ہستیوں نے کائنات کے موضوع پر قلم
۶ اٹھایا، جن کے اسماءگرامی تاریخ میں سنہری اور نوری الفاظ سے لکھے جاتے ہیں، ان میں سے
۷ ۱:......علم کائنات وتصوف کے بانی ابن عربی قدس سرہٗ۔
۸ ۲:......ظل الہ مولانا رومی قدس سرہٗ۔
۹ ۳:......حضرت سید عبدالکریم جیلی مصنف "انسان کامل قدس سرہٗ۔
۱۰ ۴:......امام ربانی قیوم زمانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ۔
۱۱ ۵:......حضور قلندر بابا اولیاءقدس سرہٗ شامل ہیں، جو مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تین سو
۱۲ سال کے بعد چودھویں صدی (14صدی) ہجری بمطابق انیسویں (19ویں) صدی
۱۳ عیسوی یعنی تیس (30) سال قبل اس دنیا میں موجود تھے، جن کی زبان ترجمان فیض سے
۱۴ ظہور میں آنے والی اور ان کے شاگرد رشید اور خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین
۱۵ عظیمی دامت برکاتہم کے قلم سے اوراق پر منتقل ہونے والی کتاب کا نام "لوح وقلم" ہے۔
۱۶ "لوح وقلم" میں کائنات اور انسان کی تخلیق اور اس کے مراحل بیان کئے گئے ہیں، خواجہ
۱۷ شمس الدین عظیمی، حضور قلندر بابا اولیاءقدس سرہٗ کے ظاہری اور باطنی نعمتوں کے وارث
۱۸ ہیں، عظیمی صاحب کی دوستی اور ہم نشینی میں طالبعلم کے اندر کا آدمی انسان بن جاتا ہے۔
۱۹ بندہ میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے، کہ وہ کتاب لوح وقلم کے باطنی رموز سے آشنا ہو جاتا
۲۰ ہے۔ محترم خواجہ کتاب لوح وقلم میں تحریر فرماتے ہیں۔
۲۱ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کے مصداق حاملِ علمِ لدنّی، واقفِ اسرارِ کن فیکون مرشدِ کریم، ابدالِ حق، حسنِ اُخریٰ محمد ۱
عظیم برخیاءؔ حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کی زبانِ فیضِ ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ خود حضور ۲
بابا صاحب کے روحانی تصرف سے میرے ذہن کی اسکرین پر نقش ہوتا رہا۔ اور پھر یہ الہامی ۳
تحریر حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کی مبارک زبان اور اس عاجز کے قلم سے کاغذ پر منتقل ہو کر کتاب ۴
لوح و قلم بن گئی۔

۵

میرے پاس یہ روحانی علوم نوعِ انسان اور نوعِ جنات کے لئے ایک ورثہ ہیں۔ میں یہ ۶
امانت بڑے بوڑھوں، انسان اور جنات کی موجودہ اور آنے والی نسل کے سپرد کرتا ہوں۔ ۷

مذکورہ بالا کتاب میں انوکھی اور منفرد خوبی یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں جس قدر کتابیں معرض ۸
وجود میں آئی ہیں، ان کا اندازِ تحریر قرآن کی موجودہ ترتیب صعودی کے مطابق ہے، جس کا ۹
آغاز "سورہ بقرہ" کی پہلی آیت "الم" سے ہوا ہے، لیکن "لوح و قلم" کی ترتیب ۱۰
نزولِ قرآن کے مطابق ہے، جس کا آغاز "سورہ علق" کی پہلی آیت "اقراء ۱۱
باسم ربک الذی خلق" سے ہے۔

۱۲

دونوں میں یہ فرق پایا جاتا ہے کہ ترتیب صعودی انسان جو بنی آدم ہے اس کے شعور کو ۱۳
بتدریج پستی سے بلندی کی طرف لے جانے والی ہے، اور ترتیب نزولی میں اس انسان کو جو ۱۴
بلند ترین شعور کا مالک ہے، اور مصدرِ کائنات ہے، اس کے شعور کو بلندی سے پستی کی جانب ۱۵
لانے والی ہے، اور وہ ہی بنی آدم کو اپنے شعور کی قوت متصرفہ سے بلندیوں تک لے جاتا ہے، ۱۶
چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت دیگر بنی آدم کی تربیت کے برعکس کی گئی ۱۷
، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کی ترتیب نزولی کے تحت فرمائی، جس میں یہ تاثیر ۱۸
ہے، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شعور اتنا بلند ہو گیا کہ وہ کائنات کی تخلیق کے ۱۹
رازوں اور تخلیقی کلیات سے آگاہ اور ان پر متصرف (حکمران) بھی تھے، ان میں سے ہر ایک ۲۰
مقتداء امت ہے، جس کی خبر ارشادِ نبوی ﷺ میں یوں ہے۔

۲۱

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم واھدیتم

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، اُن کی پیروی کرو اور درست راستہ پاؤ۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ قدس سرہٗ نے اس عاجز کو اویسیہ طریق سے اپنے فیضان سے سرفراز فرما کر عظیمی بنا لیا۔

میاں فضل احمد حبیبی عظیمی (10/10/2007)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام خاتم الرسالۃ

اسرار تخلیق آدم سورۃ والتین کے آئینہ میں مؤلفہ میاں فضل احمد حبیبی کے اصل مسودات میرے سامنے ہیں جو گزشتہ چھ سات ماہ نجماً نجماً مجھ کو موصول ہوتے رہے اور احقر مستفید ہوتا رہا۔

میاں فضل احمد حبیبی کا مقام و منصب تو ایک عرصے سے معلوم ہوتا تھا لیکن پہلی بالمشافہ ملاقات مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ان کے درِ دولت پر حاضری کے وقت ہوئی جو عام روش کے اعتبار سے تو آخری ملاقات بن جاتی مگر میاں صاحب موصوف کی شانِ علمی، شانِ کریمی، بزرگانہ عظمت، اور خورد نوازی و علم پروری کے باعث وہ تمہید ٹھہری۔ آئندہ روابط اور تعلق خاطر کی ــــــ اور یہی ان کی بڑائی کی سب سے بڑی دلیل ہے ـــ میاں صاحب موصوف کی خدمت میں احقر نے اپنی قلمی کاوشیں پیش کیں۔ انہوں نے وقت نکال نکال کر ان کا مطالعہ کیا۔ (ماہنامہ القاسم) حاضر خدمت ہوا تو میرے نقوش پر ان کے تبصرے شائع ہوئے مکاتبت کا سلسلہ شروع ہوا تو موصوف مفصل خطوط لکھ لکھ کر تحسینات سے سرفراز فرماتے رہے ــــــ

ایک دن ان کے کوچے سے گزرا تھا میں پھر یہی روز کا مشغلہ بن گیا

ایک دفعہ دیکھا کہ موصوف کی طرف سے کمپوز شدہ مضامین "اسرارِ تخلیق آدم" کے سلسلہ میں موصول ہوئے۔ حکم ہوا کہ ان کو پڑھو، اصلاح کرو، مفید مشورے دو اور نام تجویز کرو۔ میں نے ابتدائی اوراق پڑھے تو علم و ادب کا مرقع تھے۔ تخلیق و فلسفہ سے معمور تھے، پڑھتا ہی چلا گیا، پھر کمپوزنگ، جملوں کی نشست، الفاظ کی درستگی اور حسن، الغرض ہر چیز اپنی مثال آپ اور لاجواب ہے۔ مجھے اپنی کم علمی کا احساس ہوا۔

موصوف کی شخصیت کا وہ دلکش پہلو ہے، جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدقسمتی سے بڑے لوگوں کے اندر سے کمیاب بلکہ نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ آج کا دور، علم کا نہیں بلکہ قلم کے اشتہار اعلان کا دور ہے لیکن موصوف تنہائی میں بیٹھ کر "اسرار تخلیق آدم سورہ والتین کے

آئینہ میں'' تصنیف کر کے قرآنی حقائق و معارف کی روشنی پھیلا رہے ہیں جبکہ آج کی روش یہ ہے کہ جب تک موچی دروازہ یا مینارِ پاکستان میسر نہ آئے کسی کو اپنے علم یا اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ ''تخلیقِ آدم'' کے تمام مضامین بالا قساط موصول ہوتے رہے' اور مجھ احقر کو بھرپور استفادہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔

موصوف مستقل مزاج ہیں ادھورے پن کے قائل نہیں جو کام ہاتھ میں لیا اسے پورا کر دکھایا قرآن میں تفکر ان کی روح کی غذا ہے۔ جس طرح روح و قالب ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں اسی طرح میاں فضل احمد حبیبی اور فکرِ قرآن لازم و ملزوم ہیں ان کو جدا کرنا گویا سورج سے اس کی کرنیں الگ کرنے والی بات ہے۔ میں نے پوری کتاب پڑھ ڈالی ہے اور بار بار پڑھی' مجھے ان کی شخصیت کے دو پہلوؤں نے بہت متاثر کیا۔ ایک تو مسلکِ اعتدال' جو ذہنی و فکری توازن کی دلیل ہے اور دوسرے ان کی خوبصورت نثر نگاری' جس سے ہمارا روایتی دینی حلقہ یکسر محروم ہے۔۔

ایک اچھے ادیب' محقق' مصنف' مؤلف اور کامیاب نثر نگار کی تحریر میں جو بھی اجزائے حسن ہوتے ہیں' وہ میاں صاحب کے اسلوبِ نگارش میں موجود ہیں۔ اور قوتِ استدلال اس پر مستزاد ہے۔ موصوف کا زورِ قلم اور دل آویز اسلوب نمایاں ہے۔ بعض پیرا گراف تو ادب عالیہ کے شہ پارے ہیں۔

میں میاں صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ امت کو عظیم علمی سوغات دے رہیں ہیں۔ اور اربابِ فضل و کمال سے درخواست ہے کہ ''اسرارِ تخلیقِ آدم'' سے بھرپور استفادہ حاصل کریں۔

عبدالقیوم حقانی

معراج آدم (سیدنا علیہ السلام)

۱
اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم پر جب سیدنا آدم علیہ السلام کے قالب میں اپنی طرف ۲
سے روح کو پھونکا۔ تو وہ قالب جو ساٹھ ہاتھ (90 فٹ) لمبا اور بے جان تھا اس میں حیات ۳
داخل ہوگئی۔ تو تمام ظاہری اور باطنی حواس زندہ بیدار ہو گئے۔ اُسی لمحہ اور اُسی موقعہ و مقام پر ۴
درج ذیل تین امور ظہور میں آئے جو یہ ہیں۔
۵
1.....سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق واقع ہوئی جسے ملک ۶
کائنات کا پہلا حقیقی وزیر اعظم بنایا گیا۔
۷
2..... چونکہ قالب کو کرۂ ارض سے اٹھا کر عرش پر لیا گیا تھا۔ لہٰذا سفرِ عروج کی ۸
انتہا مقامِ عرش عظیم ہے۔
۹
جب اس قالب میں حیات داخل کی گئی تو حواس بیدار ہونے سے بصارت و ۱۰
بصیرت دونوں نے باری تعالیٰ کا مشاہدہ کر لیا وہ اسطرح کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست یعنی بلا ۱۱
واسطہ اسماء کا علم حضرت آدم کو سکھایا تھا۔ جو اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم ۱۲
سکھانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنا مشاہدہ بھی کرایا تھا۔ ۱۳
درحقیقت یہ مشاہدہ اور اسماء کی تعلیم ہی معراجِ آدم ہے (علیہ السلام) ۱۴

وزیر اعظم ملکِ کائنات:

۱۵
3.....کارخانہ کائنات کو رواں دواں رکھنے والے انسان کا جب وجود قائم ہو ۱۶
گیا۔ جو کارخانہ کائنات کی عمارت کی تعمیر و تخلیق کی تکمیل کا باعث ہوا۔ اور وہی انسان ملک ۱۷
کائنات کا پہلا حقیقی وزیر اعظم بنایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ملکِ کائنات کا ۱۸
عبوری وزیر اعظم عزازیل، علیہ لعنت تھا۔ عبوری وزیر اعظم ہونے کے باعث اپنے اختیارات ۱۹
حضرت آدم علیہ السلام کو منتقل کرنے کا پابند تھا۔ مگر جب اسنے سجدہ نہ کر کے اختیارات منتقل ۲۰
کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو عالم بالا کی پارلیمنٹ کی سربراہی سے معزول کر ۲۱

کے پارلیمنٹ ہاؤس سے نکال دیا۔ اسی لمحہ سے وہ حزب اقتدار کے خلاف حزب مخالفت کا ۱
لیڈر بن گیا اور اسی لمحہ سے وہ آدم اور اولاد کا ازلی دشمن ہے اور حزب مخالف کا قائد ہے۔ اس ۲
لئے اس کے مقابل بنی آدم میں سے ہر زمانہ میں ایک حزب اقتدار کا قائد اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ۳
رہے گا۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ پھر عالمِ آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائیگا۔ ۴
چونکہ حضور ﷺ اولاد آدم ہیں لہذا آپ ﷺ بھی بطور وراثت و بیعت وزارت ۵
عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے۔ جبکہ آپ ﷺ کے منصب سے وزارت عظمیٰ کا منصب ادنیٰ ۶
ہے۔ ۷
مندرجہ بالا امور جو عرش عظیم پر واقع ہوئے تھے ان کے تناظر میں جب رسالت ۸
مآب ﷺ کے سفر معراج اسریٰ پر تفکر کیا جاتا ہے تو درج ذیل باتیں واضح ہوئی ۹
1...... جب حضرت آدم علیہ السلام کا قالب جو اربع عناصر کا جامع ہے۔ وہ عرش ۱۰
عظیم پر جا سکتا ہے۔ تو پھر حضور اقدس ﷺ کا وجود اطہر عرش عظیم پر کیا نہیں جا سکتا؟ ۱۱
2...... جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود عالمِ بالا میں جا سکتا ہے تو حضور ﷺ ۱۲
کے وجود مبارک کو عرشِ عظیم پر جانے سے کونسی چیز مانع ہے۔ ۱۳
3...... جب حضرت ادریس علیہ السلام ظاہری حیات میں جنت الفردوس میں جا ۱۴
سکتے ہیں۔ جو عرش کے نیچے ہے تو پھر جو د رسالت مآب ﷺ کی کیا رکاوٹ ہے؟ ۱۵
مندرجہ تین مثالیں عالمِ بالا میں عروج کر کے جانے کی موجود ہیں جن کو تمام ۱۶
مذاہب والے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان زندہ شواہد کے موجود ہوتے ہوئے یہ سوال پیدا ۱۷
کرنا کہ رسالت مآب ﷺ اپنے ظاہری وجود کے ساتھ عالم بالا میں تشریف لے گئے تھے یا ۱۸
صرف روح عالم بالا میں گیا تھا۔ ایسے شواہد کی روشنی میں یہ سوال کرنے والا عقل دانش سے ۱۹
خالی ہے۔ سعادت ازلی سے محروم ہے۔ ۲۰
4...... جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسالت مآب کا عالمِ بالا میں عروج فرما ۲۱

کر جانا کوئی انوکھی اور منفرد بات نہیں ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسالت مآب ﷺ کو جو دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو فضیلت حاصل ہے اس کی بنیاد پر حضور ﷺ کے سفرِ معراج اور دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے عروج کرنے میں کیا۔ امتیاز اور فرق پایا جاتا ہے جس سے آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہوتی ہو۔ ہمیں اس فضیلت کو تلاش کرنا ہے۔ جو رسالت مآب ﷺ کو دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے ممتاز درجہ پر دلیل ہو۔

١
٢
٣
۴
۵
٦
٧
٨
٩
١٠
١١
١٢
١٣
١۴
١۵
١٦
١٧
١٨
١٩
٢٠
٢١

عرضِ مؤلف

مؤلف اس قابل کب تھا کہ وہ قرآن کریم پر جو اللہ کا کلام ہے، یا اس کی کسی آیت یا لفظ و حرف پر تحقیق کرنے کی جسارت کرتا جس پر چودہ سو سال سے مفسرین اور محققین کام کرتے چلے آرہے ہیں اور وہ اپنے اپنے دور میں علم و معرفت کے خزانے آنے والی نسلوں کے سپرد کر کے رخصت ہوتے رہے۔ وہ خزانے جب دورِ حاضرہ کے افراد کے سپرد ہوئے تو حالات و واقعات بدل چکے تھے۔ وقت کی رفتار تو وہی ہے جو پہلے تھی لیکن قوت کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ جو فاصلہ سالوں میں طے پاتا تھا آج وہ گھنٹوں میں طے پا رہا ہے۔ نیز وقت کی رفتار لمحہ بہ لمحہ تیز سے تیز تر ہو رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں شعور نے وقت پر قابو پا لیا ہے۔ کائنات کی وہ حدود جن کو نگاہ عبور کرنے سے قاصر تھی۔ انسان اُن حدود کو عبور کر چکا ہے۔

یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ قرآن کریم پر تحقیق کا کام آسان نہیں جس پر تاریخ شاہد ہے۔ کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں قرآن پر تحقیق کرنے والے مفسرین اور محققین کی تعداد کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ ایسے عمدہ پس منظر میں مجھ جیسا احقر جسے قرآن کے ظاہری حروف و الفاظ کے ادا کرنے کے آداب سے بھی پوری طرح آگاہی نہیں۔ اتنے عظیم کام کو کیسے انجام دے سکتا ہے۔

ہوا یوں کہ مرشد کریم حضرت قبلہ مولانا و سیدنا سید محمد حبیب اللہ قدس سرہ اکتوبر 1961ء دن کے گیارہ بجے کے قریب روزِ روشن میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تو ایسا معلوم ہوا کہ روشن دن سیاہ رات میں بدل گیا، گویا ہماری نظروں کے سامنے سیاہ چادر تان دی گئی۔ کچھ اور نظر نہ آتا۔ اور کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس تاریک فضا سے کچھ دیر پہلے ہم میں وہ موجود تھے مگر اب فضا ان کے مبارک وجود سے خالی تھی۔ وہ راہیں جن راہوں پر وہ

قدم بہ قدم چلا کرے تھے۔ وہ راہیں اُداس تھیں وہ نگاہیں جو اس مقدس سراپا کو دیکھ کر اپنے
ایمان کو تازہ کرتی تھیں اور عشاق کے دل جو اس سراپا نسبت کی ہم نشینی سے اپنی پیاس بجھایا
کرتے تھے ان کی زیست کا سامان کہاں پس پردہ ہو گیا۔ اس لمحہ وہ اپنی زبان حال سے پکار
اُٹھے۔

آس کا پنچھی اڑتے اڑتے دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

اے دوست! سامان زیست کی تلاش میں جب کوئی راستہ نظر نہ آیا تو عالم حیرت
میں یہ آواز سنائی دی جو قلب کے کانوں نے سنی کہ اپنی زیست کے سامان کو قرآن میں تلاش
کرو اس لئے کہ جو کچھ کائنات کے اندر یا باہر ہے وہ سب کچھ قرآن میں ہے۔ غالباً یہی وجہ
ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا کہ "اگر میرے اونٹ کی رسی گم
ہو جائے میں اسے قرآن میں تلاش کرلوں گا"۔

(الاتقان فی القرآن)

جب اس نقطہ نگاہ سے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے قرآن
کریم نے میری جدائی کی انوکھی کہانی سن لی ہے۔

"داستان تو جدائی کی ہے مگر باتیں وصل کی ہیں"

قرآن کریم نے میری رہنمائی اس طرح فرمائی جیسے گم شدہ بچہ اپنے والدین اور
گھر سے بھول کر دور چلا جائے تو جو حال اس بچے کا ہوتا ہے۔ اس سے کون واقف نہیں تو
پھر کوئی اس کی انگلی پکڑے اور اس کے گھر پہنچا دے۔ ایسا کچھ مجھ سے بھی بیت رہا ہے۔
سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم مجھ سے ہم کلام ہوا۔ حروف والفاظ اپنے اندر کے
پوشیدہ رازوں سے مطلع کرنے لگے۔ مجھے تو لکھنے کا ڈھنگ نہ آتا تھا۔ موجودہ صورتحال

آپ کے روبرو ہے۔

اے دوست! وہ سفر ابھی تک جاری ہے۔ اسی سفر کے دوران یہ راز بھی پایا کہ قرآن جو ایک کتاب کی صورت میں ہے۔ یہ بھی جدائی کی ایک انوکھی داستان ہے۔ جس کا خلاصہ و عکس سورہ القصص ہے۔ جس کی داستان کو اللہ تعالیٰ نے احسن القصص قرار دیا ہے۔

درحقیقت قرآن کریم جدائی کی وہ اصل داستان ہے۔ جس کا آغاز اس وقت ہوا جب ذات باری تعالیٰ نے اپنے محبوب بصورت نور کو "امر کن" کے ساتھ اپنے حرم ناز سے اپنا ایک عظیم مشن دے کر الوداع کیا تھا۔ "گویا کن" الوداع ہے، چونکہ حرم ناز تمام بلندیوں سے بلند تر مقام ہے ۔ جب اس ذات نے اپنے محبوب کو وداع فرمایا تو محبوب کا سفر بلندی سے پستی کی جانب شروع ہو گیا۔ حضور ﷺ اللہ کے محبوب اور اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا محبوب ہے۔ جب محبوب اول نے محبوب ثانی کو رخصت فرمایا تو پاس ادب کے لئے محبوب ثانی نے اپنے محبوب کی طرف چہرہ رکھتے ہوئے پشت پا سفر طے فرمایا۔

محبوب، محبوب کی نگاہوں میں رہے۔ جوں جوں فاصلہ بڑھتا گیا رشتہ محبت دراز اور قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سفر کی آخری منزل پر تمام ہوا، یعنی کرہ ارض پر تشریف لائے اور 63 سالہ زندگی مبارک گزار کر واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ الوداع کہنے والا بلند ترین مقام پر اور جسے الوداع کیا گیا تھا وہ پستی کی آخری منزل کرہ ارض پر اس طرح رہے کہ ہمہ وقت نگاہیں اس کی ذات کی طرف اور اس ذات کی نگاہ پستی میں موجود محبوب کی طرف دونوں کی نگاہیں ایک لمحہ کے کھربویں حصہ بھی غفلت میں نہ آئیں وہ تو غفلت سے آزاد و بلند ہیں۔

بعینہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے محبوب اور باپ ان کا محبوب ہے۔ ان دونوں کی جدائی کی داستان قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا

نے زیرِ زمیں کنواں میں قید کروایا تھا۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان اس اصل داستان کا آئینہ و عکس ہے۔

اے دوست! اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ مجھ جیسے درماندہ کے قلم سے بعض آیات اور سورتوں کے معانی و مفاہیم لکھوا دے۔ اور تعجب اس لئے نہیں کہ رسالت مآب ﷺ کے روبرو پتھر کی کنکریوں نے باآواز بلند یہ کلمہ پڑھا تھا۔

لا الہ لا اللہ محمد رسول اللہ

جس طرح کنکریوں نے کلمہ پڑھا تھا۔ اس طرح میرے مشائخ حضرت قدس اسرارہم کی کرم نوازیوں نے میرے قلم کو قوت گویائی عطا کی ہے۔ تو وہ رواں دواں ہے۔

وللہ یختص برحمۃ من یشاء

فضل احمد حبیبی عظیمی

بتاریخ: 5/10/2007

بسم تعالیٰ

اظہارِ تشکر

عرصہ دراز سے اظہارِ تشکر کے وہ جذبات جو ذہن وقلب میں پرورش پا رہے تھے وہ اب تو جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور اپنے ظہور کیلئے بے قرار ہیں۔ ان بے تاب جذبات کو حروف والفاظ کا خوبصورت جامہ پہنا کر اس راہ پر رواں دواں کرنا چاہتا ہوں جو کاغذ کے اوراق کی پشت سیدھی لکیر کی صورت بچھا ہوتا ہے۔ تاکہ قارئین کی نگاہوں کے لئے یہ حروف والفاظ نشان راہ بن کر منزل مقصود تک پہنچانے کا باعث بن سکیں۔

پیشتر ازیں یہ دلی تمنا ہے کہ ان کرم فرما حضرات کا ذکر خیر کیا جائے جن کے خاموش کردار نے میرے اندر ان جذبات کے بیج بوئے تھے۔

ان حضرات کی فہرست طویل ہے۔ لیکن گنجائش' پھیلاؤ کی اجازت نہیں دیتی۔ مجبوراً اختصار پر صبر کرنا پڑا۔ کرم فرماؤں کے مختلف درجات ہیں:۔

1......سرپرست 2......علم پرور 3......علم دوست

1......سرپرست حضرات میں عزت مآب حکیم محمد سعید شہید پاکستان بانی وچانسلر ہمدرد یونیورسٹی کراچی جنہوں نے میری سب سے پہلی اشاعت "استفسارات در اسرار حبیب" پر نادرالوجود تبصرہ ارسال فرمایا۔ جو حقیقتاً تالیف کی ترجمانی کا حامل ہے۔ جس نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کیا۔ نیز وہ ایک ایسی شخصیت تھی اور ہے جس کی تحریر میرے لئے سند ہے۔

ii......عزت مآب مفتی اقتدار خان صاحب (مرحوم) مفسر قرآن واسلامک جج برطانیہ نے استفسارات در اسرار حبیب پر سب سے آخر میں جو تقریظ تحریر فرمائی اس عاجز کے شعور کی توقعات سے ہی کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ جو درحقیقت ایک ایسا فتویٰ ہے۔ جس

نے مجھے تالیف وتصنیف کی دنیا میں سرخرو کر دیا۔

iii......مربی ومحسن حسن مآب قاضی محمد حمید فضلی صاحب مدظلہ تعالیٰ شیخ طریقت (ظاہری وباطنی جمال وکمال کے عطا کرنے والے) نے مولف کی تالیف (سفرِ تخلیق انسان وکائنات وآدم) کا ایسا تجزیہ تحریر فرمایا۔ جو تالیف میں درج حقائق کی روح ہے۔ جس کی تائید مفتی اقتدار خان نے ایک نجی ملاقات کے دوران اس طرح فرمائی۔ اس کتاب کو برطانیہ میں ملنے والے حضرات کو بندہ سبقاً بڑھاتا ہے۔ نیز ایک ایسا عملی مظاہرہ فرمایا۔ جس کو اس لئے یہاں لکھا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام ان کی اس محبت کا اندازہ کر سکیں جس کا انہوں نے اظہار فرمایا۔

ہوا یوں کہ اس ملاقات میں انہوں نے تواضع کے لئے چائے اور برفی منگوائی۔ جب چائے آچکی تو فرمایا برفی کھائیں۔ مؤلف نے برفی کا ٹکڑا لے کر پورا کھا لیا اور چائے کا ایک چسکہ لگایا پھر دوسرا ٹکڑا لیا اور پورا کھا کر چسکہ لیا۔ وہ ملاحظہ کرتے رہے۔ جب تیسری بار برفی کا ٹکڑا اُٹھایا تو فرمایا برفی یوں نہیں کھائی جاتی۔ تو جواباً عرض کیا طریقہ بتائیں فرمایا برفی کا بڑا ٹکڑا لے کر اس طرح دانتوں سے کھائیں کہ نصف باقی بچ رہے۔ حسب ارشاد مٹھائی کھائی تو میرے ہاتھ سے باقی بچا ہوا ٹکڑا لیکر اپنے منہ میں ڈالا پھر چائے نوش فرمائی۔

مؤلف اسی تعجب میں تھا کہ مفتی صاحب نے یہ کیا کیا؟

تو فوراً نیاز مندانہ لہجہ میں فرمایا۔ جس شخص نے رسالت مآب ﷺ کی تعریف اتنی اعلیٰ کی ہے اس کا جھوٹا کھانے میں اپنی سعادت پاتا ہوں۔ سبحان اللہ! ایسا دلیر اور دلبر کہاں سے لاؤں جس نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آداب کو بجالانے کا نمونہ عطا فرمایا۔

2......علم پرور حضرات

ii......پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری ڈین شعبہ اسلامیات کراچی یونیورسٹی

کراچی نوری صاحب وہ گرامی قدر شخصیت ہیں۔ جنہوں نے ہمارے ادارہ نور علیٰ نور ۱
فاؤنڈیشن کے منصوبہ کے بروشر کے مطالعہ کے بعد" بلا تاخیر دست گیری فرمائی۔ ہمارے ۲
ادارہ نے" جو سیرت حبیب قرآن کی ترتیب نزولی اور کائناتی حقائق کے آئینہ میں ترتیب ۳
دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے لئے ہر قسم کا تعاون عملی طور پر اسی لمحہ سے شروع کر دیا۔ جس ۴
کا خاکہ یوں ہے۔ ۵

i......اپنی توانائیاں اس منصوبہ کے لئے وقف فرما دیں۔ ۶

2......(24) سکالرز کا ایک بورڈ تجویز فرمایا۔ جس میں تقریباً ۷
بارہ (۱۲) یونیورسٹیوں کے پروفیسر شامل کیے گئے۔ پھر اس بورڈ کی چیئرمین شپ کے لئے ۸
راقم کی درخواست پر اپنی ذات کو پیش کر دیا۔ ۹

3......کراچی میں نوری صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کے نام سے آٹھ ایکڑ رقبہ میں ۱۰
ایک تحقیقی ٹرسٹ قائم کر رکھا ہے۔ اس کے دفاتر کو 5 سال تک بلا معاوضہ استعمال کرنے کی ۱۱
اجازت فرمائی۔ اور باقاعدہ تحریر لکھ دی۔ ۱۲

راقم الحروف نے ان کے اس عظیم احسان کے مقابل ان سے گزارش کی کہ جب ۱۳
تک منصوبہ بروشر سے نکل کر اپنی شکل وصورت میں سامنے نہیں آجاتا۔ اُس وقت تک اس کو ۱۴
صیغہ راز میں رکھا جائے۔ چنانچہ وہ ابھی تک صیغہ راز میں رہا۔ امید ہے۔ تھوڑے عرصہ میں ۱۵
پراجیکٹ کی بنیادی ضروریات جو علمی لحاظ سے باقی ہیں پوری ہو جائیں گی۔ وہ اسلئے کہ ۱۶
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ جو بعثت سے رحلت تک تقریباً آٹھ ہزار دنوں پر محیط ۱۷
ہے۔ چونکہ ترتیب نزولی کے تحت سیرت مرتب ہوگی۔ اس لئے 23 سالہ دور کو 23 جلدوں ۱۸
پر منقسم کر کے ہر سال کا روزنامچہ تیار کیا گیا ہے۔ پھر ہر سال کی ایک جلد کی تین جزیں قائم کی ۱۹
گئی ہیں اس طرح جزوں کی تعداد 69 عدد ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کو ترتیب نزولی ۲۰
کے لحاظ سے اس طرح مرتب کیا گیا ہے۔ ہر سال میں جتنی جتنی سورتیں نازل ہوئی انکو اسی ۲۱

ترتیب سے زُبع کرایا گیا ہے۔جس سے فائلوں کی تعداد 92 ہوگئی ہے۔ ہر فائل کے تقریباً ایک ہزار صفحات ہوں گے۔ اس طرح بانوے ہزار (92000) صفحات پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا تیار ہو جائیگا۔انشاءاللہ

اتنے عظیم منصوبہ کی نگرانی کے لئے جو بورڈ تجویز کیا گیا۔اس کے چیئرمین نوری صاحب ہیں۔

4......مجتہد عصر حضرت علامہ عبدالقیوم حقانی بانی وچانسلر ابوھریرہ یونیورسٹی،نوشہرہ (صوبہ سرحد) حقانی صاحب سے مراسم دو سال پہلے قائم ہوئے۔ان کی معتدل طبع مبارک میں غضب کی چاشنی ہے۔ایک عظیم درس گاہ کے روح رواں ہونے کے باوجود انکساری اور تواضع میں جو وسعت ان کو حاصل ہے۔اس نے بہت جلد اپنی گرفت میں لے لیا۔سورۃ والتین کی تحقیق کے کے کام کا آغاز 1996ء میں ہوا تھا اور اب تک ہو رہا ہے۔جس کے آغاز میں حکیم محمد سعید شہیدِ پاکستان اور مفتی اقتدار خانؒ صاحب نے سرپرستی فرمائی۔اس سورہ کی تحقیق کی سرپرستی حقانی صاحب نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائیں۔

علم دوست حضرات کے اسماء گرامی ان کا تعارف کرایا جائیگا۔

1......شیخ طریقت مولانا عتیق الرحمٰن ہاشمی مجددی سیفی

2......جناب عبدالرزاق چوہان (ر) ڈائریکٹر آڈٹ۔اے۔جی آفس اسلام آباد

3......جناب چودھری محمد سلیم صاحب،ٹاؤن شپ لاہور

4......مولانا عبدالستار طاہر،لاہور۔

تعارف:

1......شیخ طریقت منظور نظر حضرت پیرار چی صاحب مدظلہ تعالیٰ نے سورہ والتین

کی تحقیق میں جو احادیث درج ہیں یہ انکی کوشش ہے۔ ۱

2...... جناب عبدالرزاق چوہان صاحب، اسلام آباد ۲

راقم الحروف کی جملہ مطبوعات کو اول سے آخر تک انہوں نے بغور مطالعہ ۳
فرمایا۔ان کی اکثر تجاویز نے مجھے بہت سہارا فراہم کیا۔جس طرح وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ۴
آڈٹ کیا کرتے تھے۔اسی طرح انہوں نے مطبوعات کو آڈٹ کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان ۵
کو فارسی، اردو اور انگریزی زبان پر عبور بخشا ہے۔عربی زبان کی تفہیم کے لئے فہم رسا رکھتے ۶
ہیں۔عرصہ چار سال سے لگاتار تحریروں کو آڈٹ کرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ ۷

3...... چودھری محمد سلیم صاحب۔لاہور ۸

چودھری صاحب سے قلمی دوستی تو تقریباً پانچ سال سے ہے لیکن ان سے ملاقات ۹
دسمبر 2006ء میں ہوئی تھی۔اس کے بعد ان سے مسلسل رابطہ ہے۔وہ بہت محنتی اور اعلیٰ ۱۰
حضرت احمد رضا خان کے سچے اور سُچے عاشقوں میں سے ہیں۔انکا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ ۱۱
اس لئے عبارت کی فکری اور فنی کمزوریوں پر بڑی مضبوط گرفت کرتے ہیں جو نہایت پسندیدہ ۱۲
ہے۔ ۱۳

4......کمپوزر حضرات میں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ۱۴

حاجی محمد شفیق صاحب سیالوی 1996ء سے ساتھ ساتھ ہیں۔ایک مخلص اور نیک ۱۵
نیت انسان ہیں۔ ۱۶

محمد انیس صاحب۔لاہور ادارہ علم و عرفان میں کمپوزنگ کرتے ہیں کتاب جب ۱۷
ان کے ہاتھوں سے نکلتی ہے تو اس کا رنگ رُوپ قابل دید ہوتا ہے۔ ۱۸

جناب مشہود صاحب اور جناب امجد اقبال صاحب ان دنوں سیرت کا پراجیکٹ ۱۹
کمپوز کیا ہے۔شب و روز کی محنت تھی کہ چھ ماہ میں مکمل کر لیا۔ ۲۰

جناب فضیل صاحب جو ایک طالب علم ہیں ان کے خلوص اور محنت اور لگن نے ۲۱

دل خوش کر دیا۔

جناب صبیح الحسن نے سورہ نجم کی آیات 8 اور 9 میں انسان اول اور کائنات کے دائرہ اول کی تخلیق پر جو کام کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

انہوں نے انسان اول کی تخلیق کو اور کائنات کی تخلیق کو فلمایا ہے۔

سب سے آخر میں مولانا عبدالستار طاہر مسعودی صاحب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عبد الستار طاہر صاحب محترم و مکرم مجدد عصر حاضر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مجددی مظہری جو راقم کے مربی بھی ہیں ان کے مرید خاص اور کئی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ اگر کسی کتاب کی پروف ریڈنگ کرانا مقصود ہو تو ان سے بہتر شاید ہی کوئی صاحب مل پائیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس شعبہ کے استاد ہیں۔ کاش وہ اس شعبہ کی ترویج کے لئے کوئی کام کر جائیں۔ چند شاگرد تیار کر جائیں۔ تاکہ آنے والے دور میں اس فن کو استحکام حاصل رہے۔

جن دوستوں کے نام شامل نہیں کر سکا ان سے معذرت چاہتا ہوں اور خصوصاً اپنی اہلیہ محترمہ سے جو شب و روز میرے ساتھ ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور میرے آرام کا اور میرے وقت کا خاص

خیال رکھتی ہیں ہم دونوں پینتالیس سال سے ساتھ ساتھ ہیں۔ جسمانی کمزوری دونوں میں برابر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ کہ اس کام کو کسی نتیجہ پر پہنچا جائیں۔ تمام حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیا و آخرت میں اعلیٰ ترین اجر عطا فرمائے آمین۔

حبیبی عظیمی

5/12/2007

قرآن ایک لکھا ہوا معاہدہ (Contract Book)

قرآن کریم کا تعارف اللہ تعالیٰ یوں کراتا ہے، قرآن (الــم) وہ لکھا ہوا معاہدہ ہے، جو بنی آدم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان طے پایا تھا، اس معاہدہ (Contract) میں اللہ تعالیٰ بنی آدم کو اپنی جنت فروخت کرتا اور جنت کے عوض ان سے ان کی جانیں اور مال خرید لیتا ہے، چونکہ جنت کی قیمت اللہ تعالیٰ بنی ادم سے عالم دنیا میں وصول کر لیتا ہے، مگر جنت کو اس دنیا میں نہیں دیتا، ہاں! وہ بنی آدم کو جنت اس وقت دے گا، جب وہ مر جائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ جنت کی قیمت اس جہاں میں وصول کر لیتا ہے اور جنت کے دینے کا وعدہ عالم آخرت میں پورا کرے گا۔

اس معاہدہ (Contract) میں جو شرائط اور ضوابط طے پائے ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ بنی آدم سے کس قسم کی درجہ وجان قبول کرتا ہے، اور اس کے کس قسم کے مال کو قبول کرتا ہے، اور ان دونوں کے عوض جنت کس درجہ کی دے گا، کیوں کہ جنت کے آٹھ درجات ہیں، جو نیچے سے اوپر واقع ہیں، سب سے اوپر والا درجہ سب درجات سے اعلیٰ ہے، لہذا بنی آدم میں سے ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اس معاہدہ کو مان لیا تھا، اور وہ لوگ جنہوں نے اس معاہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ لوگ کافر (انکار کرنے والے) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس معاہدہ کے بارے یقین دہانیاں کرائیں ہیں،

ا:......پہلی یقین دہانی یہ ہے کہ اے! معاہدہ کو قبول کرنے والو! (اے مومنوں!) میں (اللہ) نے جن جن چیزوں کے دینے کے وعدوں کو کر رکھا ہے، ان کو ہر قیمت پر پورا کیا جائیگا، ان وعدوں کے وفا ہونے کے بارے میں دلوں اور ذہنوں میں شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

۲:......دوسری یقین دہانی یہ ہے کہ وہ لوگ جو پرہیزگار رہوں گے، ان کو ان تمام چیزوں کا مشاہدہ اس جہاں میں کرایا جائیگا، لیکن ان اشیاء کو ان کے حوالے عالم آخرت میں کیا جائے گا۔

پرہیزگاروں کی پہچان:

پرہیزگار وہ لوگ ہیں جن میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں،

(i):۔وہ تمام چیزیں جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھیں اور ان چیزوں کے موجود ہونے کو تسلیم کرنے والے جیسے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور یوم آخرت وغیرہ۔

(ii):۔ان چیزوں کے حصول حفاظت کے لیے نماز کو قائم کرنے والے ہوں۔

(iii):۔ان چیزوں میں اضافہ کرنے کی خاطر جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوں۔

ایسے مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری اور بشارت دی ہے کہ معاہدہ کے قبول کرنے والوں نے بہت بڑے نفع کا سودا پکا کر لیا ہے، اس لیے خوشیاں مناؤ اور بڑھ چڑھ کر خوشیاں مناؤ، قانون شریعت اس معاہدہ کی تفصیل وتشریح ہے، جس پر عمل کرنے سے بنی آدم متقی بن جاتا ہے۔

قرآن کریم کا تعارف ہمیں اس وقت ہوتا ہے، جب ہم قرآن کریم کو سورہ بقرہ کی پہلی آیت سے قرآن کے مطالعہ کا آغاز کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی موجودہ صورت وہ ہے، جس کو حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں ترتیب دیا تھا، چنانچہ قرآن کی موجودہ صورت کو درج ذیل ناموں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۱:۔توفیقی ترتیب ۲:۔مدنی ترتیب ۳:۔نبوی ترتیب ۴:۔صعودی ترتیب

حضور ﷺ جن کے سپرد بہت سے امور ہیں، ان امور میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ بنی آدم کو جنت میں اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن بنی آدم کو جنت میں لے جانے

سے پہلے بہت سے ایسے امور (کام) ایسے ہیں، جن کا تعلق بنی آدم کی صنعت سازی سے ہے، اور بنی آدم کو جنت میں لے جانے کے لیے کارخانۂ کائنات سے بنی آدم کی پیداوار کا حصول لازم ہے، خدانخواستہ بنی آدم کی تخلیق و پیداوار رک جائے، تو جنت میں لے جانے کا کام کیسے جاری رہ سکتا ہے۔

جب قرآن کریم کا ترتیب نزولی کے مطابق مطالعہ کیا جاتا ہے، تو اس طرح مطالعہ کے نتیجہ میں کارخانۂ کائنات کے بارے میں دو باتیں سامنے آتی ہیں:۔

ا:۔ کارخانہ کائنات یعنی (کوکب) کو کس طرح پیدا کیا گیا؟ اور اس کے وجود کی تکمیل کب اور کس طرح ہوئی تھی؟

۲:۔ جب کارخانۂ کائنات مکمل ہو گیا تو اس کو رواں دواں رکھنے کے لیے اس کا انچارج سربراہ کس کو بنایا گیا؟ تاکہ بنی آدم کی صنعت سازی کو کارخانۂ کائنات میں جاری رکھا جا سکے۔

سورہ والتین میں جن چیزوں کا ذکر ہے، وہ درج ذیل ہیں:۔

ا:...... کارخانۂ کائنات کی آخری ورکشاپ جس میں بنی آدم سازی کی جاتی ہے، اس کو چھ دنوں میں بنایا گیا۔

کارخانۂ کائنات کی عمارت کو اس لحہ مکمل کر دیا گیا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر کرہ ارض پر لایا گیا، جونہی حضرت آدم علیہ السلام نے پہلا قدم زمین پر مس کیا، کائنات کے کارخانہ کی عمارت مکمل ہو گئی، اور جونہی حضرت آدم علیہ السلام نے کرہ ارض پر پہلا سانس لیا تو کائنات کے کارخانہ کی عمارت کی تحلیل کا آغاز ہو گیا، نیز آدم علیہ السلام کی زندگی کی واپسی کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

۲:...... حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ عصر کے وقت سورج کے غروب ہونے سے تین ساعت پہلے شروع کی گئی اور سورج کے غروب ہوتے ہی جمعہ کے دن تکمیل ہو گئی، تو حضرت

آدم علیہ السلام جنت سے روانہ ہو گئے، جب زمین پر پہنچے تو اگلا دن ہفتہ کا دن تھا، حضرت آدم علیہ السلام راتوں رات جنت سے زمین پر پہنچ گئے تھے۔

(i) اس طرح جمعہ کے دن کی تکمیل ہوگئی۔

(ii) آدم کے وجود کی تکمیل ہوگئی۔

(iii) کائنات کے وجود کی تکمیل ہوگی۔

سورہ والتین وہ دستاویز ہے، جو حضور ﷺ کو بعثت کے تیسرے سال پیش کر دی گئی تھی، جس میں مندرجہ بالا امور کا اجمال درج ہے،

واللہ اعلم ان باتوں کے علاوہ سورہ والتین میں کیا کیا چھپا ہوا ہے۔ جس کو نبوت کا شعور ہی جان سکتا ہے، بندہ ان کو جاننے سے عاجز و قاصر ہے، اے پروردگار میری عاجزی کو قبول فرما۔

میاں فضل احمد حبیبی

ہر شعور کی پہچان الگ الگ ہے

انسانی شعور کے عام مشہور تین درجات ہیں، جن کے نام یہ ہیں

۱......شعور ۲......لاشعور ۳......تحت الشعور

وضاحت

۱......شعور:

یہ شعور بنی آدم کا شعور ہے۔ جس کا نام بصارت ہے۔ جو عالم دنیا کی اشیاء کے ظاہر کو دیکھنے کا اہل ہے۔

۲......لاشعور

یہ شعور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا شعور ہے جس کا نام بصیرت ہے۔ جو عالم اشیاء کے ظاہر و باطن کے مشاہدہ کا حامل ہے۔ جو تزکیہ کا ماحصل ہے۔

۳......تحت الشعور

یہ شعور رسالت مآب ﷺ کے وجود احمد کا شعور ہے جس کا نام حکمت ہے۔ جو تمام مخلوقات کے افراد و انواع کے ظاہر و باطن نیز ان کی تخلیق سے لے کر ان کے انجام تک کی زندگی کو ایک نقطہ میں مشاہدہ کرنے کا اہل ہے۔ اور یہی عارف کامل کا شعور ہے۔ جو تصفیہ کا ماحصل ہے۔

۴......شعور نبوت

یہ وہ شعور ہے جو ذات باری تعالیٰ کے شعور کا ظل ہے اور یہ ہی انسان اول کا اصل شعور ہے۔ جو رسالت مآب ﷺ کے شعور کا اصل ہے۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تحت الشعور کے ظلال دیگر انبیاء علیہم السلام کے شعور ہیں۔ پھر ہر نبی کے شعور کے ظلال اس نبی کی امت

کے افراد کے شعور ہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ازل سے اپنے اپنے شعور کے حامل ہیں۔ جب وہ اس دنیا میں تشریف لائے تو ان کے احوال بنی آدم کی شعور کی مانند نہ تھے، وہ تو ازل سے بصیرت و حکمت دے کر بھیجے گئے ہیں اور غالباً یہی باعث تھا کہ رسالت مآب ﷺ کے سینہ مبارک کو معراج سے پہلے تین بار چاک کیا گیا۔

۱......پہلی بار پانچ سال کی عمر میں شق صدر سے شعور کو لاشعور میں بدل دیا گیا۔

۲......دوسری بار چالیس سال کی عمر مکمل ہونے پر شق صدر سے لاشعور کو تحت الشعور میں بدل کر نبوت کے شعور سے منور کر دیا گیا۔ تو اس طرح عالم ارواح میں دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے جو میثاق لیا گیا تو یوں واضح ہوتا ہے کہ اس وقت قرآن کے نزول میں میثاق انبیاء کی تفصیل کا ذکر تھا۔ جس سے حضور ﷺ نے کامل طور پر جان لیا لہٰذا ازل سے ابد تک کے معاملات و حالات سے آگاہ ہیں۔ اور یہ غیب نہیں مشاہدہ ہے۔ جو چیز دوسروں کیلئے غیب ہے، پس پردہ ہے وہ نبی ﷺ کے مشاہدہ میں ہے۔ نیز ہر انسان ستر ہزار پردوں میں مستور ہے۔ حضور ﷺ ان تمام حجابات کا مشاہدہ رکھتے ہیں۔

۳......تیسری بار معراج اسریٰ سے قبل شق صدر سے اس شعور کو منتقل کیا گیا۔ جس شعور کا تعلق حرم ناز سے ہے۔ واللہ اعلم الصواب (اللہ تعالیٰ دائرۂ ادب میں رکھے آمین ثم آمین)

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ازل سے اس شعور کے حامل ہیں۔ جس شعور کے مقام تک بنی آدم کے شعور کو پہنچانے کا کام ان کے سپرد ہے۔ جس کی خبر اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام لاشعور کے حامل ہوتے ہوئے کرہ ارض پر تشریف لائے۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو لاشعور کا حامل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اسی طرح تمام دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی یہ شرف حاصل ہے۔

جس طرح بنی آدم کا شعور لاشعور کا ظل ہے۔ اسی طرح لاشعور بھی تحت الشعور

کاظل ہے۔ نیز جب بنی آدم کا شعور بتدریج ترقی پا کر عروج کرتے ہوئے لاشعور کا قائمقام بن جاتا ہے تو پھر لاشعور بتدریج ترقی کرتے ہوئے تحت الشعور کا قائمقام بن جاتا ہے۔ اور تحت الشعور ہی کو یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کمالات نبوت کے فیضان کا متحمل بن جاتا ہے۔ جس طرح بنی آدم کا شعور حضرت آدم علیہ السلام کے شعور کا ظل ہے اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوۃ کے شعور رسالت مآب ﷺ کے شعور کے ظلال ہیں۔

شعور کی پہچان: عالم دنیا کی چیزوں کے ظاہر کو دیکھنے پر مجبور و مامور ہے۔

لا شعور کی پہچان: عالم اجسام کی تمام اشیاء کے ظاہر و باطن کے مشاہدہ کا حامل ہے۔

تحت الشعور کی پہچان: عالم اراوح کے حقائق کا مشاہدہ رکھتا ہے۔ جیسے ایک انسان جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور نائب تو اس انسان کی ازل سے ابد تک کی زندگی کے تمام واقعات و حالات کو ایک نقطہ میں دیکھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شعور: یہ وہ شعور ہے جس کا ظل رسالت مآب ﷺ کا شعور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی منشا ہے۔

فضل احمد حبیبی عظیمی

بتاریخ: 7/10/2007

بروز اتوار۔ 24 رمضان المبارک 1428ھ

سورہ والتین کی حیثیت اور حقیقت

سورہ والتین کی حیثیت اور حقیقت کے تعین کے لئے ان سورتوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ جن میں بنی آدم، آدم، اور انسان کی تخلیق کی داستان جدا جدا درج ہے جس کی ترتیب یوں ہے

سورہ علق میں نبی آدم کی تخلیق اور زندگی کی داستان۔ سورہ والتین میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور زندگی کی داستان اور سورہ نجم میں انسان کی تخلیق اور زندگی کی داستان درج ہے، جب مذکورہ بالا سورتوں کے معانی اور مفہوم سے آگاہی ہو جاتی ہے تو ہر ایک کی حیثیت اور حقیقت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔

سورہ علق کی پہلی پانچ آیات کا خلاصہ یوں ہے۔

1:۔سورہ علق

ا:اس سورہ میں جس انسان کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اس کو علق سے پیدا کیا گیا۔ یعنی والدین کے گھر پیدا کیا گیا۔

۲:اس انسان کی جائے پیدائش ''کرہ ارض'' ہے۔ جو عالم دنیا کا مرکزی مقام ہے۔

۳:اس انسان کی تکریم علم کے حصول پر منحصر ہے۔

۴:اس انسان کو قلم کے واسطہ سے علم سکھایا گیا۔

۵:اس انسان کو وہ علم سکھایا گیا جو پہلے وہ نہ جانتا تھا۔

سورہ علق میں بنی آدم کی تخلیق کا ذکر ہے کہ اسے والدین کے گھر پیدا کیا گیا پھر اس کی زندگی میں جو ضروریات درکار تھیں، ان کو پورا کیا گیا اور یہ پوری کاروائی کرہ ارض پر تکمیل پائی ہے، تو آخری لمحہ پر زمین کے اوپر اور پھر اس کے اوپر سے زمین کے اندر منتقل ہو جاتا ہے۔ ولادت سے پہلے والدہ کے بطن سے اتر کر زمین پر آتا ہے اور پھر مرنے کی بعد زمین سے

اتر کر زیر زمین (قبر) میں چلا جاتا ہے، اور کل قیامت کے دن نئے لباس میں نکالا جائے گا۔

نوٹ:۔

خلاصہ آدم (بنی آدم)

سورہ علق کی پہلی پانچ آیات میں بنی آدم کی تخلیق کا اجمال اور حیات کی داستان کا ذکر ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی جو پہلی اولاد پیدا ہوئی اس سے لے کر قیامت کے قریب آخری اولاد تک کی داستانِ زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، یعنی حضورﷺ کی بارگاہ میں جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے بنی آدم کی زندگی کی روداد کی دستاویز پیش کی گئی تھی۔

2:۔ سورہ والتین

۱:...... اس سورہ میں ایسے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے، جس کو والدین کے بغیر پیدا کیا گیا ہے، اور براہ راست اور بلا واسطہ کائنات کے وجود سے بحیثیت خلاصہ پیدا کیا گیا، جس کا تعارف یوں کرایا گیا۔

۲:...... جس کو عرش عظیم پر پیدا کیا گیا، جو عالم اجسام کا مرکزی مقام ہے۔

۳:...... اس انسان کے قالب کے اجزا کو کرہ ارض سے چنا گیا۔

۴:...... اس انسان کے قالب کو زمین سے اٹھا کر فرشتے اس جگہ پر لے گئے، جو ارض وسماء کی حدود سے وراء اور بلند ہے اس جگہ کا نام جنت الماویٰ ہے۔

۵:...... اس انسان کے قالب کو جنت میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دونوں ہاتھوں سے سنوارا، جس کا قد (90) فٹ لمبا تھا۔

۶:...... اس (90) فٹ لمبے قد والے قالب کو عرش عظیم پر لے جا کر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے روح پھونکی تو وہ زندہ ہو گیا۔

۷:...... جب وہ انسان زندہ ہو گیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست و بلا واسطہ وہ علم سکھایا جو

اسماء کا علم ہے۔

۸:......(علم اسماء کے سکھانے کے بعد) فرشتوں اور آدم علیہ السلام کے علم کا مناظرہ کرایا گیا تو فرشتوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔

۹:...... جب فرشتوں نے شکست تسلیم کر لی تو جواز مہیا ہو گیا، پھر اس جواز کی بنیاد پر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا اور اس سجدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کرنا تھا،

۱۰:......فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ آدم علیہ السلام ہمارا (اللہ تعالی) کا نائب ہے، لہذا اگلی زندگی میں آدم علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

۱۱:......شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالی نے اس کو جو سزا سنائی وہ کچھ یوں ہے۔

i:۔اے شیطان تجھے تیرے منصب سے معزول کر دیا گیا۔

ii:۔شیطان کے تمام اختیارات سلب کر لئے گئے۔

iii:۔اس کو اسمبلی یعنی (پارلیمنٹ ہاؤس) سے جو عالم بالا میں تھی، اس سے باہر نکال دیا گیا۔

iv:۔اس پر قیامت تک لعنت بھیجنے اور پارلیمنٹ ہاؤس سے دور رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

v:۔اس کا عالم بالا میں داخلہ ہمیشہ کے لئے روک دیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں کا سردار اور حاکم شیطان تھا، مگر وہ عبوری دور کا حاکم تھا، اپنے اختیارات کو حضرت آدم علیہ السلام کو منتقل کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے سزا دی گئی تھی، تو اس نے حزب اختلاف کا لیڈر بننا قبول کیا، تو اسے حزب اختلاف لیڈر تسلیم کر لیا گیا، تو اس نے اپنی تازہ حیثیت سے اللہ تعالی کے حضور چند گزارشات پیش کیں، جن کو قبول کر لیا گیا، ان میں سے چند کو نیچے لکھا جاتا ہے۔

1:۔شیطان (مجھے) قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دی جائے۔

2:۔مجھے آدم علیہ السلام اور بنی آدم کی عداوت کے لیے وہ تمام سہولتیں دی جائیں، جن کے ذریعے آدم علیہ السلام اور بنی آدم سے بدلہ چکانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

3:۔مجھے اپنے لئے یعنی بحیثیت لیڈر حزب مخالف آدم کے مقابلہ میں مرکزی آفس الگ دیا جائے۔

4:۔اور مجھ پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے جس کو چاہوں گمراہ بناؤں۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے پس منظر میں عالم دنیا کی تخلیق کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور عالم دنیا کائنات کا وہ حصہ ہے، جو کائنات کی تخلیق کے آخری مرحلہ میں چھ دنوں میں بنایا گیا اور چھ دنوں میں ارض وسماء اور جو کچھ ان کے درمیان اس وقت تک موجود تھا، جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کا وجود بھی شامل ہے، ان سب کو چھ دنوں میں بنایا تھا، یہ بات قابل توجہ ہے لیکن بنی آدم کی تخلیق ان کائناتی چھ دنوں کے بعد واقع ہوئی تھی، نیز جن دنوں میں بنی آدم کو پیدا کیا گیا، وہ عالم دنیا کے چھوٹے دن ہیں، عالم دنیا کا ایک دن 24 گھنٹے کا شمار ہوتا ہے اور کائنات کا ایک دن عالم دنیا کے ایک ہزار سال کے دنوں کے برابر ہے، جس کو علم ریاضی کے مطابق شمار کریں تو تقریباً ایک سال میں 355 دن ہوتے ہیں، تو ہزار سال میں دنوں کی تعداد:(355x1000)=355000 تین لاکھ پچپن ہزار دن عالم دنیا میں گزر جائیں، تو عرش پر ایک دن گزرتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عالم دنیا کی حدود سے اوپر عرش پر اور جنت الماویٰ میں کی گئی تھی، وہاں سے ھبوط کر کے عالم دنیا کے مرکزی مقام کرہ ارض پر واپس بھیج دیا گیا، وہ اس لئے کہ اسی جگہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے قالب یا اجزائے قالب کو اٹھا کر عالم بالا میں فرشتے لے گئے تھے۔

شیطان کو چونکہ آدم علیہ السلام اور بنی آدم سے اپنی عداوت کی کھلی چھٹی مل چکی تھی، تو سب

سے پہلے عداوت سے بھرپور حملہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا پر جنت میں کیا تھا، یعنی شیطان اور حضرت آدم علیہ السلام کی جنگ عالم بالا میں شروع ہو گئی تھی، جس کا میدانِ کارزار بعد میں کرہ ارض بنا، یہ جنگ قیامت تک بنی آدم کے ساتھ جاری رہے گی ،حزب مخالف کا لیڈر اپنی فوج کی کمان کر رہا ہے اور حزب اقتدار ہر بنی آدم (جسے قیوم یا قطب ارشاد وغیرہ) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، قیامت تک ہر دور میں مقابلہ کرنے پر مامور ہیں قطب ارشاد ان کا ذیلی ہے۔

بنی آدم کی زندگی کے اس طویل دورانیہ میں رسالت مآب ﷺ کی تشریف آوری حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ ہزار سال بعد ہوئی، آپ ﷺ کے زمانہ بعثت سے قیامت کے قائم ہونے کے درمیان امت محمدی واقع ہے، اس لئے اس امت کو امت وسط قرار دیا گیا ہے، حضور ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور امت محمدی تمام امتوں کی سردار ہے، یہ سب روداد سورہ والتین میں درج ہے۔

جب رسالت مآب ﷺ پر سورہ والتین کا نزول ہوا تو حضور ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کی پوری اولاد کی زندگی کے اجمال کی دستاویز سورہ والتین کی صورت میں عطا کر دی گئی۔

3:۔ سورہ نجم

اس سورہ میں اس انسان کی تخلیق کا ذکر ہے، جس کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت لمبی مدت پہلے پیدا کیا گیا جس کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت پیدا کیا گیا تھا، جب کارخانہ کائنات کی عمارت مکمل ہوا چاہتی تھی، پھر اس کائنات سے سیدنا آدم علیہ السلام کو بحیثیت خلاصہ پیدا کر کے کائنات کی عمارت کو مکمل کر دیا گیا۔

وہ انسان جس کو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا گیا، بلکہ اس انسان کو

کائنات کی تخلیق سے بھی پہلے پیدا کیا گیا، پھر اس انسان کے وجود سے کائنات کو پیدا کیا گیا ۱
، پھر کائنات کے وجود سے آدم علیہ السلام کو بحیثیت خلاصہ پیدا کیا گیا پھر آدم علیہ السلام کے ۲
وجود سے بنی آدم کو پیدا کیا گیا، اس طرح انسان تخلیق کے لحاظ سے تین درجات پر ہیں۔ ۳
1:۔انسان اول احمد ﷺ 2:۔حضرت آدم علیہ السلام انسان دوم 3:۔بنی ۴
آدم انسان سوم ہے ۵
سورہ نجم انسان اول کی تخلیق سے لے کر قیامت تک کے زمانہ پر پھیلی ہوئی زندگی کے طویل ۶
ترین دورانیہ پر محیط ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی بھی شامل ہے مندرجہ بالا ۷
عبارت کا خلاصہ یوں ہے:۔ ۸
خلاصہ:۔ ۹
ا۔انسان اول کی پوری طویل ترین زندگی کی داستان سورہ نجم ہے اور اس داستان کا آغاز ۱۰
کائنات کی تخلیق سے قبل شروع ہو کر قیامت تک کے دورانیہ پر محیط ہے۔ ۱۱
گویا سورہ نجم انسان اول کی تخلیق اور زندگی کا آئینہ و آئین ہے۔ ۱۲
۲۔جس طرح سورہ نجم انسان اول کی تخلیق اور زندگی کا آئینہ اور آئین ہے، اسی طرح سورہ ۱۳
والتین انسان دوم کی تخلیق اور زندگی کا آئینہ اور آئین ہے۔ ۱۴
۳۔جس طرح انسان دوم کی تخلیق اور زندگی کا آئینہ اور آئین سورہ والتین ہے اسی طرح بنی ۱۵
آدم کی تخلیق کا آئینہ و آئین سورہ علق کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ ۱۶
جب مندرجہ بالا تین انسانوں کی یکے بعد دیگرے تخلیق کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے، ۱۷
تو قرآن کریم کی ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورہ علق کا نزول بعثت کے پہلے سال، سورہ ۱۸
والتین کا نزول بعثت کے تیسرے سال اور سورہ نجم کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ۱۹
واضح ہوتا ہے۔ ۲۰
سورہ نجم کی حیثیت انسان اول کی زندگی کی داستان ہے اور اس کی حقیقت پوری کائنات کی ۲۱

تخلیق کے آئین کا اجمال ہے۔

سورہ والتین کی حیثیت حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کی روداد ہے، اور اس کی حقیقت عالم اجسام کی تخلیق کے آئین کا اجمال ہے۔

سورہ علق کی حیثیت بنی آدم کی داستان کا اجمال ہے، اور کرہ ارض پر حکمرانی کے آئین کا اجمال ہے۔

01/09/2007

بمطابق ۱۴۲۸ ہجری ماہ شعبان ۱۸ بروز ہفتہ

مؤلف حبیبی

سورہ والتین کا شانِ نزول

نام:

پہلے ہی لفظ التین کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہء نزول:

قتادہ کہتے ہیں یہ سورہ مدنی ہے ابن عباسؓ سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ یہ مدنی ہے لیکن جمہور علماء اسے مکی ہی قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مکی ہونے کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ اس میں شہر مکہ کے لیے ھذا البلد الامین۔ (یہ پرامن شہر) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ظاہر ہے کہ اگر اس کا نزول مدینہ میں ہوا ہوتا تو مکہ کے لیے "یہ شہر" کہنا صحیح نہ ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں سورت کے مضمون پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بھی ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے' کیونکہ اس میں کوئی نشان اس امر کا نہیں پایا جاتا کہ اس کے نزول کے وقت کفر و اسلام کی کشمکش برپا ہو چکی تھی اور اس کے اندر مکی دور کی ابتدائی سورتوں کا وہی انداز بیاں پایا جاتا ہے جس میں نہایت مختصر اور دل نشین طریقہ سے لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کی جزا و سزا ضروری ہے اور سراسر معقول ہے۔

موضوع اور مضمون:۔

اس کے موضوع سے جزا و سزا کا اثبات ہوتا ہے، اس غرض کے لیے سب سے پہلے جلیل القدر انبیاء علیہ السلام کے مقامات ظہور کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے اگرچہ اس حقیقت کو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے مثلاً کہیں فرمایا کہ انسان کو خدا نے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ (البقرہ 34-30۔ الانعام 165 الاعراف

11۔ الحجر 29-28، النمل 62، ص 71 تا 73، کہیں فرمایا کہ انسان اس امانت الٰہی کا حامل ہوا ہے جسے اٹھانے کی طاقت زمین و آسمان اور پہاڑوں میں بھی نہ تھی) الاحزاب 72) لیکن یہاں خاص طور پر انبیاء کے مقامات ظہور کی قسم کھا کر یہ فرمانا کہ انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ نوع انسان کو اتنی بہترین ساخت عطا کی گئی ہے کہ اس کے اندر نبوت جیسے بلند ترین منصب کے حامل لوگ پیدا ہوئے جس سے اونچا منصب خدا کی کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں ہوا۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں میں دو قسمیں پائی جاتی ہیں ایک وہ جو اس کے بہترین ساخت پر پیدا ہونے کے بعد برائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اخلاقی پستی میں گرتے گرتے اس انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں جہاں ان سے زیادہ کوئی نیچ دوسری مخلوق نہیں ہوتی ۔دوسرے وہ جو ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر کے اس گراوٹ سے بچ جاتے ہیں اور اس مقام بلند پر قائم رہتے ہیں جو ان کے بہترین ساخت پر پیدا ہونے کا لازمی تقاضا ہے نوع انسانی میں ان دو قسموں کے لوگوں کا پایا جانا ایک ایسا امر واقعی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا مشاہدہ انسانی معاشرے میں ہر جگہ ہر وقت ہو رہا ہے۔

آخر میں اس امر واقعی سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب انسانوں میں یہ دو الگ الگ اور ایک دوسرے سے قطعی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں تو پھر جزائے اعمال کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، اگر پستی میں گرنے والوں کو کوئی سزا اور بلندی پر چڑھنے والوں کو کوئی اجر نہ ملے، اور انجام کار دونوں کا یکساں ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی خدائی میں کوئی انصاف نہیں حالانکہ انسانی فطرت اور انسان کی عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ جو شخص بھی حاکم ہو وہ انصاف کرے پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ جو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے وہ انصاف نہیں کرے گا۔

(تفہیم القرآن)

☆☆☆☆☆

بسمہ تعالیٰ

سورہ والتین

بسم اللہ الرحمن الرحیم شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۱:. والتین والزیتون — تین کی قسم اور زیتون کی (قسم)

۲:. وطور سینین — اور طور سینا کی (قسم)

۳:. وھذا البلد الامین — اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم (جہاں اللہ تعالیٰ کا امین آیا اور جس نے اسے مامون بنا دیا)

تین وزیتون سے اگر انجیر اور زیتون مراد لیا جائے جیسا کہ بیشتر مفسرین نے لیا ہے تو اس سے مراد یہی ہوگی کہ دوا ہو یا غذا، نظر اللہ تعالیٰ پر ہی ہونی چاہیے۔ جس نے انسان کو پیدا کیا اور یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔ اگر تین سے وہ پہاڑ مراد لیا جائے جو دمشق میں ہے اور جس کے دامن میں یحییٰ علیہ السلام کی قبر شریف اور اصحاب کہف، انبیا کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں اور زیتون سے جبل زیتون مراد لیا جائے۔ جو فلسطین میں ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزارات ہیں تو ان سے تاریخ عالم کے ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔ اور اس کے ساتھ طور سینا اور بلدِ امین کا ذکر گویا انسانیت کی تاریخ کا خلاصہ ہے جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اور قسم اس بات پر کہ

۴:. لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم — بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین تناسب و اعتدال) پر بنایا ہے۔ (بہترین اعضاء، بہترین صلاحیتیں، بہترین فطرت، اعتدال قوائے ظاہری و باطنی کے ساتھ تخلیق کیا)۔

لیکن افسوس کہ اکثر نا سمجھ انسان نہ اپنی صورت پر غور کرتا ہے۔ نہ اپنی سیرت کو دیکھتا ہے بلکہ بیشتر اپنا سرمایہ عقل و حکمت پستی کی طرف گرنے میں صرف کرتا ہے۔ اور جسم و جسمانیت کا عیش اس کا انتہائے نظر رہ جاتا ہے۔

۵:۔ ثم رددنہ اسفل سافلین پھر ہم نے اسے پست حالت میں ڈال دیا، (اس کا اخلاق گرتا گیا اور اس کی روح گناہوں میں آلودہ ہوتی گئی اور وہ نفس کی خواہشات کا غلام بن کر رہ گیا) 1

۶:۔ الاالذین امنو و عملو الصلحت سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے (اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو ایک ضبط و نظم کے تحت اتباع سرکار دو عالم ﷺ میں لگائے رہے) تو ان کیلئے غیر منقطع اجر ہے۔ (وہ اجر جو نہ کبھی کم ہوگا اور نہ کبھی ختم ہوگا)

۷:۔ فما یکذبک بعد بالدین ○ پھر اس کے بعد کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے۔

۸:۔ الیس اللہ باحکم الحاکمین کیا (میں) سب حاکموں کا حاکم نہیں ہوں۔

ارشاد نبوی ﷺ: بلیٰ وانا علےٰ ذالک من الشاھدین
وہ حقائق جن کا ذکر سورہ والتین میں ہو چکا ہے ان سب حقائق پر مشاہدہ کرنے والی جماعت میں سے ایک ہوں۔ (مؤلف حبیبی)

---

1 اخلاق گرنا۔ روح کا گناہوں سے آلودہ ہونا۔ نفس کی خواہشات کا غلام ہونا۔ یہ سب اعمال کرہ ارض پر جنم لیتے ہیں۔ لہذا اسفل سافلین سے مراد کرہ ارضی ہے۔ (مولف حبیبی)

نوٹ:۔ سورۃ والتین درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ الصلوۃ

والسلام تک کم وبیش بارہ ہزار سال کے طویل دورانیہ کا تاریخی پس منظر ہے، جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بطور دستاویز پہنچایا گیا ہے، جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں پوشیدہ حکمتیں بیان کی گئی ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے پورے دور پر محیط ہے۔

☆......☆......☆

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱

سورۃ والتین پر تحقیق

سورۃ والتین پر تحقیق کرنے سے پہلے چند بنیادی اور اہم گیارہ باتوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ ان بنیادوں پر تحقیق کی عمارت کھڑی کی جا سکے۔

بنیادی باتیں یہ ہیں:

1: سورۃ والتین میں جس انسان کی تخلیق کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

2: حضرت آدم علیہ السلام ہی واحد انسان ہیں جن کو بنی آدم کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

3: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس وقت کی گئی جب کارخانہء کائنات کی عمارت کی تکمیل ہو چاہتی تھی۔

4: اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت ان ہی کا وجود تھا۔

5: قرآن کریم کا نزول حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ہوا ہے۔ جن کا وجود ہی انسانیت کی تکمیل کا باعث ہے یعنی انسانیت کی عمارت کی آخری خشت حضور ﷺ کا وجودِ محمدی ﷺ ہے۔

6: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور حضور ﷺ کی ولادت قدسی کے درمیان بُعد زمانہ محتاط اندازے کے مطابق بارہ ہزار سال ہے۔ یعنی سورۃ والتین جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے۔ ان کی تخلیق کے بارہ ہزار پینتالیس (12045) سال کے بعد نازل ہوئی تھی۔ سورۃ والتین حضور ﷺ کی عمر مبارک جب 45 سال کی اور بعثت کا پانچواں سال تھا نازل ہوئی تھی۔ (پورا پس منظر پیش نظر رہے)

7: قرآن جس کو ہم روزانہ پڑھتے ہیں اس کی ترتیب وہ نہیں ہے جس سے قرآن

نازل ہوا تھا۔ وہ ترتیب نزولی تھی اور موجودہ قرآن کی ترتیب صعودی ہے۔ ترتیب نزولی کا ۱
آغاز اقـــراء بـــاسـم ربک سے کیا گیا اور ترتیب صعودی کی ابتدا الـم o ذالک ۲
الکتاب سے شروع ہوئی۔ ۳

i) ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورۃ والتین کا شمار اٹھائیسواں (28) ہے۔ ۴

ii) اور ترتیب صعودی کے لحاظ سے اس کا شمار 95۔واں ہے۔ ۵

قرآن کی ترتیب نزولی اور ترتیب صعودی میں بہت سے فرق پائے جاتے ۶
ہیں۔ ترتیب نزولی کے لحاظ سے قرآن پر تفکر کیا جاتا ہے۔ تو کائنات کی تخلیق کی روئیداد ۷
سامنے آجاتی ہے ۔ اور ترتیب صعودی کے لحاظ سے قرآن پر تفکر کیا جاتا ہے۔ تو انسان کی ۸
فلاح و بہبود کے اصول سامنے آتے ہیں۔ کائنات پر تفکر کرنے سے بنی آدم کو حضرت آدم ۹
علیہ السلام کے شعور کی وراثت حاصل ہوتی ہے۔ جن کا شعور کائناتی شعور (لاشعور) ہے اور ۱۰
ترتیب صعودی کے لحاظ سے قرآن پر تفکر کرنے سے انسان کا شعور بنی آدم کا شعور ہے۔ جو ۱۱
بتدریج ترقی کر کے لاشعور میں بدل جاتا ہے۔ ۱۲

8: قرآن کریم کی وہ سورتیں یا وہ آیات جن کا تعلق تخلیق سے ہے۔ ان آیات اور ۱۳
سورتوں کو قرآن کی ترتیب نزولی کے تناظر میں پڑھا جائے اور اسی تناظر میں تفکر کیا جائے تو ۱۴
یقیناً منزل مقصود آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ۱۵

9: مکہ معظمہ میں نازل ہونے والی سورتیں اجمال ہیں اور مدینہ منورہ میں نازل ۱۶
ہونے والی سورتیں ان سورتوں کی تفصیل ہیں۔ لہذا سورۃ والتین میں حضرت آدم علیہ السلام ۱۷
کی تخلیق کا اجمال درج ہے۔ اور سورۃ بقرہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔ جو مدینہ منورہ میں ۱۸
نازل ہوئی تھی۔ ۱۹

سورۃ والتین بعثت کے پانچویں سال میں نازل ہوئی تھی۔ اور سورۃ بقرہ بعثت کے ۲۰
چودھویں سال میں نازل ہوئی۔ اس طرح کے نزول میں کم و بیش 9 سال کا بعد زمانہ یا وقفہ ۲۱

حائل ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا اجمال حضورﷺ پر مکہ معظمہ میں 45 سال ۱
کی عمر میں اور اس کی تفصیل کو مدینہ منورہ میں 54 سال کی عمر میں نازل کیا گیا۔ ۲

10: آج ہم جس دور میں سے گزر رہے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جو سورۃ والتین کے ۳
نزول کے بعد سے اب تک (9+1427) 1436 سال گزر چکے ہیں، یہ ہمارا دور ۴
سائنسی مشاہدات کا دور ہے عقل انسانی بتدریج عروج کرتے ہوئے اس درجہ اور مقام پر پہنچ ۵
چکی ہے۔ کہ 1436 سال پہلے کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک رات کے کچھ ۶
حصہ میں کوئی انسان مکہ معظمہ سے کئی ہزار میل دور مسجد اقصیٰ جا کر واپس آ سکتا ہے۔ اور یہی ۷
باعث تھا اہل مکہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج کے سفر کا انکار کر دیا تھا۔ مگر آج کے ۸
دور میں ایک شب بھر میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ تک جانا اور پھر واپس آنا حیرت کا باعث ۹
نہیں عام سی بات بلکہ روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اس سائنسی ترقی نے بہت مسائل حل ۱۰
کر دیئے ہیں، سورہ والتین میں اس سے بھی انوکھی بات بیان کی گئی ہے۔ ۱۱

آج عام انسان کا شعور کا ئناتی حدود کو چھو رہا ہے۔ امریکہ جو کرہ ارض کے ایسے ۱۲
حصہ پر واقع ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر اگر دوپہر نصف النہار ہے تو امریکہ میں رات ۱۳
کے تین بجے ہوں گے: ب وہاں دوپہر ہوگی تو پاکستان میں رات 9 بجے ہوں گے۔ ۱۴
دونوں ملکوں میں 9 گھنٹے کا وقفہ پایا جاتا ہے۔ اتنی دوری کے باوجود موبائل کے ذریعہ رابطہ ۱۵
قائم کرنے میں ایک سیکنڈ کے برابر وقت بھی صرف نہیں ہوتا۔ جس سے ایک عام آدمی ۱۶
وہاں پر موجود عام آدمی کی تصویر کو دیکھ سکتا ہے۔ اور اس سے روبرو بات کر سکتا ہے۔ جو ۱۷
قرآن کے زمانہ نزول میں ایک معجزہ تھا آج عام سی بات کوئی شخص اس پر تعجب نہیں کرتا۔ ۱۸

یہ تمہید بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ ممکن ہے مستقبل قریب میں اس سے کہیں ۱۹
زیادہ عقل انسانی ترقی کر جائے اور اس کی سوچ کے زاویے بدل جائیں جن باتوں کو آج ۲۰
ہم محال خیال کرتے ہیں آنے والے کل میں زندگی کا معمول ہوں، آج کے دور میں محیر ۲۱

المعقول باتوں میں سے کائنات کی تخلیق اور آدم کی تخلیق جیسے واقعات ہیں، جب ان کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا جائے تو عام انسان کی عقل اگرچہ انکار نہ کرے گی مگر اس کو ان واقعات کو تسلیم کرنے میں تردد ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔ جس کی مثال قرآن کریم میں بڑے سادہ لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ ''اے لوگو! اپنے رب کو پہچانو! (اتقوا) جس نے ایک جان (آدم) سے نسل انسانی کو پیدا کیا۔'' آج 2007ء میں اقوام متحدہ کے شمار کے مطابق چھ ارب انسان روئے زمین پر موجود ہیں، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ قیامت تک کس قدر انسان پیدا ہوں گے۔ جو ایک جان سے پیدا ہونے والے ہیں۔ مگر صاحب فکر انسان کیلئے یہ بات باعث حیرت بھی ہے اور باعث عبرت بھی کہ جو خالق ایک جان سے اربوں کھربوں انسان پیدا کرنے پر قادر ہے وہ ایک جان سے کائنات کے عظیم وجود کو بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کیلئے کوئی کام مشکل نہیں۔ پھر کائنات کے عظیم وجود سے ایک انسان کو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

11: سورۃ والتین میں درج حقائق ومعارف کی بنیاد پر یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ

جس طرح کائنات کے کارخانہ کی عمارت کی تکمیل کا باعث حضرت آدمؑ کا وجود ہے اسی طرح آدم کی نسل کے اجراء کا باعث حضرت آدمؑ کا وجود ہی ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ان دونوں یعنی کائنات اور بنی آدم کے درمیان واسطہ ہے۔

وضاحت

مندرجہ بالا (11) گیارہ بنیادوں میں سے چند ایک کی وضاحت بطور تمہید لکھی جاتی ہے۔

1:۔ بنیاد 3:۔ میں حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو کارخانہ کائنات کی عمارت کی آخری خشت قرار دیا گیا ہے۔ اس جملہ کے مفہوم سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔

سوال:۔ کارخانہ کائنات کی عمارت کی تعمیر کے آغاز کی پہلی خشت کونسا وجود ہے۔؟

جواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ احمدی جس کو عالمِ رواح میں پیدا کیا گیا تھا اور جس کی تفسیر سورہ نجم میں درج ہے

2:۔ بنیاد 7:۔ میں قرآن کی ترتیب نزولی اور ترتیب صعودی کے درمیان پائے جانے والے فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس میں شعور زیر بحث ہے۔ جس کی تفصیل نیچے لکھی جاتی ہے۔

i:۔ بنی آدم   ii:۔ آدم علیہ السلام   iii:۔ احمد ﷺ

بنی آدم کے شعور کو   شعور

آدم کے شعور کو   لاشعور

احمد ﷺ کے شعور کو   تحت الشعور کہا جاتا ہے

کائناتی اصطلاح میں بنی آدم کو انسانِ سوم۔ آدم علیہ السلام کو انسانِ دوم اور احمد ﷺ کو انسانِ اول کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

i:۔ بنی آدم کا شعور کرہ ارض پر آباد بنی آدم کے مجموعی شعور کو شعور کہا جاتا ہے۔

ii:۔ آدم کا شعور عالمِ اجسام کی مجموعی انواع کے شعور کو لاشعور کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

iii:۔ احمد ﷺ کا شعور تمام مخلوقات کے مجموعی شعور کو تحت الشعور کہا گیا ہے۔

iv: ترتیب نزولی سے قرآن میں تفکر کرنے والے صاحب کو براہِ راست لاشعور کی روشنی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ کائنات کے رموز و اسرار و حقائق و معارف سے آگاہی کی صلاحیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

لہذا کائناتی تخلیق کے رموز و اسرار اس پر کھلتے جاتے ہیں۔

v:۔ ترتیب صعودی کے تحت قرآن کریم پر تفکر کرنے والا فرد شعور سے ترقی پا کر لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور انسان جو خلاصہ کائنات ہے اس کی تخلیق کے رموز و اسرار سامنے آجاتے ہیں۔ تحت الشعور وہ عقل و فہم ہے جو لاشعور سے بلند تر ہے۔

جو فرد لاشعوری استعداد کا حامل ہوتا ہے۔ اس پر تحت الشعور کا راستہ کھولا جاتا ہے۔ اور یہ تمام دروازے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر ممکن نہیں کہ کھل جائیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا ہو تو کسی کامل ولی کی صحبت اور خدمت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''اللہ کا رسول لوگوں کو پاک کرتا ہے اور ان کو حکمت سکھاتا ہے۔'' تزکیہ کا تعلق نفس سے ہے اور حکمت کا تعلق قلب سے ہے۔ حکمت سے مراد تحت الشعور ہے۔

بنیاد نمبر 9:۔

مکہ میں نازل ہونے والی سورتیں اجمال اور مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتیں ان کی تفصیل ہیں۔ اس بات کی وضاحت میں ایک مثال دی جاتی ہے۔

مثال:۔ بڑے خاندان میں جب سب سے بڑے بیٹے کی شادی ہو جاتی ہے تو شادی کے بعد اولادِ نرینہ کی آرزو جنم لیتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے حمل ہونے میں تاخیر ہو تو سب اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب حمل ہو۔ کب اولاد پیدا ہو۔ انتظار شدید کے بعد جب بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اہل خانہ کو جو خوشی ہوتی ہے اس کے اظہار کے لئے دور دراز فاصلوں پر موجود رشتہ داروں کو بذریعہ فون اطلاع دیتے ہیں کہ الحمد للہ، اللہ نے بیٹا دیا ہے۔

(اللہ نے بیٹا دیا ہے) یہ ایک چھوٹا جملہ (اجمال) ہے جس کے مقابلہ میں مبارکباد کے پیغام ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر مبارک دینے والے یہ پوچھتے ہیں بیٹا کس وقت پیدا ہوا۔ زچہ و بچہ کی صحت کیسی ہے۔ بچے کا وزن کتنا ہے۔ بچہ گھر پر پیدا ہوا ہے یا ہسپتال میں پھر دریافت کریں گے آپریشن کے بغیر یا آپریشن سے پیدا ہوا۔ اب جتنی باتیں پوچھتے جائیں ان کے جواب وہ سب تفصیل ہے۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی خبر تو حضور ﷺ کو بعثت کے پانچویں سال میں دیدی گئی تھی لیکن تفصیل 9 سال بعد جب آپ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے تب دی گئی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تفصیل کو مکہ معظمہ میں کیوں نہ بتایا گیا۔ مدینہ منورہ میں کس حکمت کے تحت تفصیل کو بیان کیا گیا۔ اس کا بھی ایک طویل جواب ہے جو سورۃ بقرہ کی پہلی تین آیات میں درج ہے اور اس کا تعلق (یومنون بالغیب) سے ہے۔

<u>بنیاد نمبر 10 اور نمبر 11:۔</u>

کائنات اور انسان کی تخلیق کا ذکر جس طرح قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ حق ہے۔ سچ ہے مگر وہ اتنا انوکھا ہے کہ عقل انسانی اس کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہونے کی وجہ سے تردد کا شکار ہو جاتی ہے۔ بلکہ انکار کر دیتی ہے۔ اور یہی باعث ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واقعات کو بیان کرنے سے پہلے سورۃ والتین میں اللہ نے چار چیزوں کی قسمیں کھائیں۔ تا کہ انسان انکار نہ کر سکے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واقعہ کو سچا تسلیم کرانے کے لئے چار قسمیں کھائیں ہیں۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی انوکھا واقعہ کائنات کی تخلیق کا ہے۔ اس لئے کہ آدم کا وجود چھوٹا ہے۔ اور کائنات کا وجود عظیم الجثہ ہے۔ جس کے عظیم الجثہ وجود کو ایک انسان کے وجود سے نکالا گیا۔ پھر کائنات کے وجود سے بلا واسطہ آدم کے وجود کو پیدا کیا

گیا۔ یہ روئیداد جو طویل ترین داستان کے آخری حصہ کی کہانی آگے اختصار کے ساتھ بیان ہوگی۔ جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے کیا جاتا ہے جن کا وجود کائنات اور بنی آدم کے درمیان واسطہ ہے۔ اور کس طرح ہے؟ تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی روئیداد زندگی کا مختصر خاکہ

حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی دو ادوار پر مشتمل ہے۔

1:۔ پہلا دور عالمِ بالا کی زندگی

2:۔ دوسرا دور عالمِ زیریں کی زندگی

وضاحت

1:۔ عالمِ بالا کی زندگی

عالمِ بالا کی زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جس زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کے مختلف مراحل سے گزارا گیا۔ اس زندگی کی تفصیلات یوں ہیں۔

(الف) کارخانہ کائنات کی عمارت پایہ تکمیل کے سب سے آخری لحہ میں تھی کہ آدم علیہ السلام کے وجود کو پیدا کر کے اس کو مکمل کر دیا گیا تھا۔

(ب) کارخانہء کائنات کی عمارت پایہ تکمیل کو پہنچی تو جمعہ کے دن کی تکمیل ہو گئی تھی۔

(ج) حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تکمیل ہو گئی تھی۔

(د) چونکہ کائنات کے کارخانہ کی تخلیق جن دنوں میں کی گئی تھی وہ ایک دن ہمارے ایک ہزار (1000) سال کے برابر تھا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو کم سے کم ایک سو سال اور زیادہ سے زیادہ تین سو سال تک عالم بالا میں رکھا گیا۔

(ھ) جس عالم بالا میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا وہ عالم بالا کائنات کے اس حصہ سے باہر ہے۔ جس کو چھ دنوں میں پیدا کیا گیا تھا۔

(و) ارض وسماء کی حدود سے وراء اور باہر جنت اور عرش ہے۔ ان دونوں مقامات پر

حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔

2:۔عالم زیریں کی زندگی

حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے باہر نکال لیا گیا پھر ان کو زمین پر اتر جانے کا حکم دیا گیا۔(اس اترنے کے عمل کا نام ھبوط آدم ہے) یہ زندگی عالم زیریں کی زندگی ہے۔

i: جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب میں حضرت آدم علیہ السلام کو عالم بالا سے نیچے کرہ ارضی پر بھیج دیا گیا۔

ii: اگلی صبح ہفتہ کا دن تھا۔

iii: کرہ ارض پر ایک دن 24 گھنٹوں کے برابر ہے جو عالم دنیا کا دن ہے۔

iv: بنی آدم کی تاریخ کا آغاز ہفتہ (شنبہ) کے دن سے ہوا تھا۔

v: چونکہ بنی آدم کی تاریخ ہفتہ کے دن سے شروع ہوئی تھی اور کائنات اور انسان کی زندگی سات دنوں کے دائرہ کے گرد گردش کرتی ہے۔لہذا پہلا دن ہفتہ کا اور ساتواں دن جمعہ کا دن ہے۔(ہفتہ۔اتوار۔سوموار۔منگل۔بدھ۔جمعرات۔جمعہ) اس لئے قیامت جب بھی قائم ہوگی جمعہ کے دن برپا ہوگی اور وہ وہی عصر کا وقت ہوگا۔جس وقت پر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کا خاکہ بیان کر دیا گیا ہے۔لیکن الجھن باقی ہے۔

الجھن 1

کائنات ہو یا انسان کی زندگی وہ سات دنوں پر گردش کرنے والی ہے لیکن ارض و سماء اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ساتواں دن ہفتہ کا دن ہے جس کے بغیر کائنات مکمل نہیں۔

الجھن 2

۱ چونکہ کائنات کی زندگی سات دنوں کے دائرہ پر گردش کرنے والی ہے۔لہذا ساتویں دن
۲ میں کائنات کا جو حصہ پیدا کیا گیا وہ کونسا ہے تا کہ کائنات کے وجود کی تکمیل کے ساتھ
۳ کائنات کے دنوں کی تعداد بھی مکمل ہو جائے۔
۴ مندرجہ بالا عبارت جو گیارہ بنیادوں اوران کی وضاحت پر مشتمل ہے۔اس عبارت کی
۵ روشنی میں
۶ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔جو درج ذیل مرحلوں پر منقسم ہے۔
۷ جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے مکمل ہو چکے تھے۔لیکن اس موقع پر صرف روح
۸ (نور نبی) کی تخلیق بیان کرنے کے بعد دیگر مرحلوں کو چھوڑ کر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق
۹ سے داستان شروع کی جائے گی۔
۱۰ 1:۔ روح کی تخلیق کا دور
۱۱ 2:۔ انسان اول یعنی روح وقالب کے جامع انسان کی تخلیق کا دور
۱۲ 3:۔ کائنات کے کارخانہ کی عمارت کی تخلیق کا دور
۱۳ 1:۔ پہلے مرحلہ کی تفصیل
۱۴ حدیث کے مفہوم کے مطابق:۔
۱۵ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔تو امر کن کے صادر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی
۱۶ صفتوں کے عما (سیاہ بادلوں) میں چھپا ہوا تھا۔یعنی گہرے بادلوں کی تاریکی تھی۔گویا یہ
۱۷ ازلی رات تھی۔اس رات میں جب امر کن صادر کیا گیا تو نور قرآن کا نزول اور نور نبی ﷺ
۱۸ کی تخلیق ظہور میں آ گئی۔جس سے ازلی سیاہ رات تمام ہوئی اور صبح صادق کی نوری لکیر ظاہر
۱۹ ہوئی۔جس سے رات،سحری کا وقت صبح صادق میں بدل گیا تھا۔اور جس رات یہ عظیم الشان
۲۰ واقعہ پیش آیا تھا اس رات کا ذکر سورۃ قدر میں ہے۔سورۃ قدر کا ترتیب نزولی کے لحاظ سے
۲۱ 25 شمار ہے۔جو سورۃ والتین سے تھوڑا عرصہ پہلے نازل ہوئی تھی۔اور ترتیب صعودی کے

لحاظ سے 97 ستانوے شمار ہے۔

سورۃ قدر کی تفسیر مختلف سکالرز کے قلم سے

علامہ عنایت اللہ المشرقی کا ترجمہ کیا ہے؟ سورۃ قدر کی روح ہے۔ جان ہے۔

القرآن۔انا انزلنه فی لیلة القدر o وما ادرک ما لیلة القدر o لیلته القدر خیر من الف شهر o تنزل الملائکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلٰم o حییٰ حتیٰ مطلع الفجر (سورۃ قدر) 1

1۔ترجمہ:۔ بلاشبہ ہم نے قرآن کو"لیلۃ القدر" میں جب کہ تمام کائنات کی پیدائش کا اندازہ (فیصلہ) کیا جا رہا تھا۔اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ (عالم آرا کائناتی قانون بنا کر) نازل کیا۔اور (اے محمد ﷺ) تو کیا سمجھتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ یہ اندازے (فیصلہ) کی رات ہزار مہینوں سے (جو کائنات کی پیدائش کے بعد روئے زمین پر جاری ہوئے) بہتر (اس لحاظ سے) ہے (کہ) اس میں (خدائی قوتوں کے علم بردار) فرشتے اور (بالخصوص) الروح کا فرشتہ (یعنی جبرائیل جس کی تحویل میں کائنات کا پورا قانون ہے) اپنے پروردگار کے حکم سے پورے قانون کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔اس لیلۃ القدر پر تمام کائنات کا سلام اس وقت ہوتا رہے گا۔جب تک (پیدائش کائنات کے مقصد کی) پو پھٹ جائے گی۔اور واضح ہو جائیگا۔کہ کائنات کو کس غرض کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔

اس انتہائی طور پر دقیق اور ناسہل الفہم سورۃ کا رسول ﷺ کے ذہن پر نبوت کے پہلے تین ساڑھے تین سال کے اندر بطور وحی نازل کرنا غور و فکر کا ایک سیلاب سوچنے والے کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔کہ عرب کے عظیم

حاشیہ 1: سورۃ بقرہ میں جو بارہ سال بعد 3ھ میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ الشهر رمضان الذی کے الفاظ ہیں یعنی قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا تھا (علامہ مشرقی کی

اختیار کردہ ترتیب نزولی کے مطابق)۔

الشان شخص نے نبوت کے ابتدائی دنوں میں جب کہ قرآن کی صرف تیرا سورتیں جن کا مجموعی حجم ایک سوسطر سے بھی کم تھا۔نازل ہوئیں تھیں۔نزول قرآن کا کیا تصور باندھا؟

پروفیسر غلام جیلانی برق سورۃ قدر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

2:۔ترجمہ:۔ہم نے یہ قرآن ایک فیصلہ کن رات میں نازل کیا۔جانتے ہو کہ یہ فیصلہ کی شب کیا ہے۔یہ رات گزشتہ ہزار ماہ سے بہتر ہے۔اس میں حکم الٰہی سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں۔اور زندگی زمین پر اتر رہی ہے۔یہ رات امن وسلام کا پیام (تحفہ) لے کر آتی ہے۔اور طلوع فجر تک رہے گی۔(دو قرآن یعنی قرآن اور کائنات) 1

مندرجہ بالا ترجمہ میں فیصلہ کن رات سے مراد وہ رات ہے۔جس میں امر کن صادر کیا گیا تھا۔اور وہ رات زمانہ ماضی کی رات تھی مگر وہ ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے۔جو ہر سال کے ماہ رمضان میں واقع ہوتی ہے۔اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔یعنی زمانہ مستقبل کی رات ہے۔

نوٹ:۔مؤلف حبیبی کی تالیف (سفر تخلیق وکائنات وآدم) میں سورۃ قدر کی تشریح کی گئی جس کی بنیاد تفسیر مظہری ہے۔اس کا مفہوم وخلاصہ نیچے لکھا جاتا ہے۔

خلاصہ

سورۃ قدر میں دو راتوں کا ذکر ہے۔پہلی رات زمانہ ماضی کی وہ ازلی رات ہے۔جس میں کن صادر ہوا تھا۔دوسری وہ رات ہے جو زمانہ مستقبل میں ہر سال ماہ رمضان میں واقع ہونے والی ہے اور یہ رات قیامت تک ہر سال ماہ رمضان میں آتی رہے گی۔اس رات میں جو بہت انوکھی باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

1:۔ یہ رات ازلی رات کی قائمقام ہے۔

2:۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور جبرائیل بطور جشن ہر سال مناتے ہیں۔

3:۔ اس رات میں ارض وسما کو خوب سجایا جاتا ہے۔

حاشیہ:۔ 1 دوقرآن غلام جیلانی برق کی کتاب کا نام ہے جس کا مطلب قرآن اور کائنات ہے، جیلانی برق کی نیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، کہ کس نیت سے اس نے "دوقرآن" کتاب کا نام تجویز کیا۔

4:۔ اس رات میں فرشتے اور ان کا سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام اترتے ہیں۔

5:۔ وہ اہل زمین کے لئے زندگی اور سلامتی کا تحفہ لاتے ہیں۔

6:۔ چونکہ فرشتوں نے کرہ ارض پر ہر جگہ رہنے والوں کے لئے سلامتی اور زندگی کے تحفے لانے ہوتے ہیں۔ اور یہ تحائف عشاء کی نماز کے وقت سے لے کر طلوع فجر تک تقسیم کرنے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ رات دوسری راتوں سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ رات چوبیس گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ یہ رات پورے کرہ ارض کے گرد گھومنے والی ہے۔ اس رات کا آغاز مکہ معظمہ سے ہوتا ہے۔ اور ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد مکہ کے مقام پر ختم ہو جاتی ہے۔

7:۔ اس رات کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس شب قرآن کا نزول ہوا۔ جس کا ذکر سورۃ بقرہ میں ہے۔ 1

8:۔ ازلی رات میں ایسی کیا خوبی ہے؟ کہ جس کی یاد میں ہر سال ارض وسماء میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جشن مناتے ہیں۔ اس رات کو بہت بڑی سعادت اور شرف حاصل ہے۔ کہ اس ازلی رات میں نور قرآن (حقیقت قرآن) کو نازل کیا گیا اور حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق ظہور میں لائی گئی تھی۔

(سفر تخلیق ص 66 تا 89)

امام ربانی مجدد الف ثانی قیوم زمانی قدس سرہٗ حقیقت قرآن کے نزول اور حقیقت محمدی

علیہ الصلوۃ والسلام کی تخلیق کے ظہور کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:۔

ماہ رمضان کی آمد آمد ہے۔اس ماہ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ جو تمام کمالات ذاتی و شیونی کا جامع ہے۔اور دائرہ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلیت اس کی طرف راہ نہیں پاسکتی۔اور حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام اس کا ظل اول ہے۔کمل مناسبت رکھتا ہے۔جس مناسبت کی بناء پر اس مقدس کتاب کا نزول اس ماہ مبارک میں ہوا۔

حاشیہ 1:۔سورۃ البقرہ میں جو بارہ سال بعد 3ھ میں نازل ہوئی۔ الشھر الرمضان الذی کے الفاظ ہیں یعنی قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا۔(علامہ مشرقی کی تحقیق)

قرآن:۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن

ترجمہ:۔رمضان المبارک کا وہ مہینہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔

(مکتوب4دفتر اول ص48)

مندرجہ بالا اقتباس جو مکتوب 4 کا ہے اس میں حقیقت قرآن (نور قرآن) کو اصل قرار دیا گیا ہے۔اور حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام کو اس کا ظل قرار دیا گیا ہے۔ان دونوں حقائق کے بارے وضاحت میں اس مکتوب کی عبارت دو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔جس میں نور نبیؐ کی تخلیق کا وقت سحری کے انتہا اور طلوع فجر کے آغاز کا وقت ہے۔رات کو نور قرآن کی خیرات اور دن کو نور نبیؐ کی برکات سے منسوب کیا گیا ہے۔چونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔لہذا اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ عظیم کارناموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہر سال ماہ رمضان میں جشن نزول نور قرآن اور جشنِ تخلیق نور نبیؐ خود مناتا ہے۔جس میں عالم بالا کے تمام فرشتے شامل ہوتے ہے،جس میں عالم بالا کے تمام فرشتے شامل ہوتے ہیں،اسی طرح عالم زیریں میں بنی آدم مناتے ہیں۔

(مؤلف جیبی)

مکتوب نمبر 4 دفتر اول کی عبارت میں نور قرآن اور نور نبی ﷺ کے نزول اور ظہور تعین واضح ہو چکا ہے جو اس طرح ہے۔

i:۔ حقیقت قرآن (نور قرآن) کے نزول کا وقت رات اور رات سے وابستہ خیرات ہیں۔

ii:۔ حقیقت محمدی ﷺ (نور نبی ﷺ) کی تخلیق کے ظہور کا وقت مطلع فجر ہے۔یعنی انتہائے سحر ہے۔جو دن کا آغاز ہے اور دن سے وابستہ برکات ہیں۔

اس حقیقت پر مزید غور کریں تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نور قرآن دو اجزاء کا مجموعہ ہے۔جو یہ ہیں۔

i:۔ کمالات ذاتی ii:۔ شیون ۱

لیکن نور نبی جو قرآن کے نور کا ظل اول ہے اسے بھی نورِ قرآن کی طرح دونوں کا جامع ہونا ۲
چاہیے۔ لیکن نور نبی کے بارے میں مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو درج ذیل تین ۳
اجزاء کا جامع قرار پاتا ہے۔ ۴

الف:۔ جوہر محبت ۵

ب:۔ شعور ۶

ج:۔ نور ۷

مندرجہ بالا تین اجزاء کا ذکر جن مکتوبات میں ہے ان کو نیچے لکھا جاتا ہے۔ ۸

الف:۔ مشہور و معروف حدیث قدسی یوں ہے (میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے محبوب ۹
رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں) سب سے پہلی ۱۰
چیز جو اس مخفی خزانہ کے ظہور کے تحت پر جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوق کی پیدائش کا سبب ۱۱
ہوئی اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا۔ اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانہ ۱۲
رکھتا۔ (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) ۱۳

اوپر درج عبارت میں نور نبی کو نور قرآن کا ظلِ اول قرار دیا گیا ہے۔ وہ ظل ہی شعور ہے ۱۴
جس کا ذکر مکتوب 76 دفتر سوم میں یوں ہے۔ ۱۵

پہلا (نور) جو کہ حضرت نور کے مرتبہ سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے۔ اور نور و شعور کا ۱۶
جامع ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اسے عقل سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس جگہ ۱۷
آپ نے فرمایا۔ ۱۸

(ب):۔ اول ما خلق الله العقل (سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ عقل ۱۹
ہے) ۲۰

(ج):۔ اول ما خلق الله نوری (سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا ۲۱

نور ہے)

یہ دونوں ایک ہیں یہی نور ہے اور یہی عقل وشعور اور چونکہ رسول ﷺ نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے۔ میرا نور فرمایا ہے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقت محمدی کا مرتبہ ہے اور یہ تعین اول ہوگا۔ نہ وہ حقیقت و تعین اول جو کہ متعارف ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ تعین کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے۔

(جہان امام ربانی ص 569)+(مکتوب 76 دفتر سوم)

مندرجہ بالا عبارت جو مکتوب 76 دفتر سوم کا حصہ ہے اس میں حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام کے دو سے زائد مرتبوں کی خبر دی گئی۔ جس میں نور نبی کو اصل اور اس کے ظل کو غنیمت کے مرتبہ پر جانا گیا ہے۔ لہذا غنیمت کا ظل ہی وہ معروف حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ (مؤلف جیبی)

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک دیگر مکتوب میں لکھتے ہیں (ص 463/464) حقیقت احمدی کو اصل اور حقیقت محمدی کو اس کا ظل قرار دیا ہے۔ اور ایک دیگر مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جس طرح حقیقت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام، حقیقت احمدی علیہ الصلوۃ والسلام کا ظل ہے اسی طرح حقیقت احمدی علیہ الصلوۃ والسلام بھی ظل کی مانند ہے۔ دونوں مکتوبات کی عبارتیں نیچے درج کی جاتی ہیں۔ (مکتوب 209 دفتر اول)

<u>حقیقت محمدی، حقیقت احمدی علیہ الصلوۃ والسلام کا ظل ہے</u>

مکتوب 313 دفتر اول سے اقتباس:۔

اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں جہاں جہاں یہ لکھا ہے کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے وراء تجلیات وظہورات سے بھی وراء ہے۔ اس سے یہی قرب مراد ہے۔ میں اپنے خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا کہ اس دولت نے ظہور فرمایا۔ اس عبارت کے ساتھ حضرت ایشاں کی خدمت میں میں نے عرض کیا تھا۔ تو مجھ پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سیر انفسی

اس عمل کی نسبت سیر آفاقی کی طرح ہے۔ اس عبارت سے زیادہ اس دولت کی تعبیر کے لئے طاقت نہیں پاتا تھا۔ سال ہا سال کے بعد یہ معاملہ صاف ہوا اور مجمل عبارتوں کے ساتھ تحریر میں لایا۔

(مکتوب 313۔ دفتر اول میں 904/222)

(نوٹ) سیر آفاقی سے مراد حقیقت محمدیؐ کی سیر اور سیر انفسی سے مراد حقیقت احمدی کی سیر ہے۔ راقم کے نزدیک وہ سیر جس کا ظل اول حقیقت احمدی اور حقیقت احمدی کا ظل حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ وہ حقیقت نور نبی ہے۔ جس کو قرآن کی سورہ نجم میں نجم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ (اگلی عبارت میں نور نبیؐ اور نور قرآن پر مزید تحقیق شامل ہوگی پھر سورہ والتین کی طرف رجوع کیا جائیگا۔)

گزشتہ عبارت میں نور نبی ﷺ تین مراتب کا جامع ثابت ہو چکا ہے۔ جو نور قرآن کا ظلِ اول ہے۔ چونکہ ظلِ اول نور نبی ﷺ تین مراتب کا جامع ہے۔ لہٰذا ''نورِ قرآن'' جو اصل ہے وہ بھی یقیناً تین مراتب کا جامع ہوگا لیکن گزشتہ عبارت میں ''نور قرآن'' کے دو مراتب بیان ہوئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

i:۔ کمالات ذاتی

ii:۔ شیون ذاتی (شیون کی تعداد آٹھ ہے پہلی شان حیات اور آخری شان تکوین ہے)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تیسرا مرتبہ کونسا ہے؟ جب اس بات پر تفکر کیا جاتا ہے تو یہ راز کھلتا ہے کہ تیسرا مرتبہ ''شان حیات'' ہے۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''شان حیات'' اللہ تعالیٰ کی آٹھ شیونِ ذاتی میں شامل ہے۔ اور ان آٹھ میں سے اول ہے سب سے اعلیٰ و برتر ہے اس کو دوسری بار تیسرے مرتبہ کیلئے کس حکمت کے تحت الگ سے شمار کیا گیا ہے۔

جب اس بات پر تفکر کیا جاتا ہے تو اس مؤقف کے حق میں جو دلیل سامنے آتی ہے اس کا

تعلق قیامت قائم ہونے کی نشانیوں سے وابستہ ہے۔

جس کا ذکر قرآن اور احادیث میں یوں ہے۔

القرآن:۔(اے نبی ﷺ!) جب ان کافروں (بے ایمانوں) میں سے کوئی دائمی موت مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہوا جائے۔ (توبہ 9 آیت 84)

حدیث 1 کا مفہوم

قیامت کے قریب لوگوں کے دلوں سے ایمان سمٹ کر مدینہ میں آ جائیگا۔ جیسے سانپ اپنے بل میں آ کر گھستا چلا جاتا ہے۔

حدیث 2 کا مفہوم

(دولت ایمان کو اٹھانے کے بعد) قرآن کریم کو اٹھا لیا جائے گا جونہی قرآن اٹھا لیا جائیگا قیامت قائم ہو جائے گی۔

مندرجہ بالا آیت اور دو احادیث کے مفہوم پر تفکر کرنے سے جو باتیں واضح ہوتی ہیں ان کو نیچے لکھا جاتا ہے۔

1:۔ کافر ابدی موت مر جاتا ہے۔ اور صاحب ایمان عارضی موت سے دوچار ہوتا ہے۔

کافر یعنی بے ایمان کی نہ نماز پڑھی جائے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہوا جائے جس کا لازم دوسرا پہلو یہ ہے۔

کہ صاحب ایمان جس پر عارضی موت وارد کی گئی ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کی قبر پر کھڑا ہوا جائے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ موت انسانی جسم کیلئے دو طرح پر ہے۔

1:۔ کافر پر دائمی موت وارد ہوتی ہے۔

2:۔ مومن پر عارضی موت وارد ہوتی ہے۔

اوپر درج پہلی حدیث میں حضور ﷺ نے ایمان کا تعلق قلب سے بیان فرمایا جو صرف اور صرف بنی نوع انسان اور بنی نوع اجنہ کیلئے مخصوص ہے۔ انسان کو خلاصہ کائنات بنایا، گویا انسان کائنات کا قلب ہے۔ قیامت کے قریب جب انسانوں کے دلوں سے ایمان سلب ہو جائیگا۔ تو کائنات کا وجود دولت ایمان سے محروم ہو جائیگا۔

پھر جب قرآن کو اٹھایا جائیگا۔ تو کائنات کے قالب پر موت وارد ہو جائیگی۔ جس طرح قالب پر موت وارد ہوتی ہے، تو ہمیں نظر آتی ہے۔

لیکن قلب پر وارد ہونے والی موت ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس طرح قیامت کے قریب ایمان دنیا سے سمٹ کر مدینہ منورہ لوٹ جائیگا۔ یعنی کائنات کے قلب پر موت وارد ہو جائے گی۔ پھر جب کائنات کے قالب پر موت وارد ہو گی تو لوگوں کو اس کا پتہ چل جائیگا جس طرح ان کو انسان کے قالب پر وارد ہونے والی موت کا پتہ چلتا ہے۔

کائنات کی فنا کے عمل سے جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ''حیات کائنات'' ہے جس سے کائنات کا وجود قائم ہے جس سے یہ بات اچھی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی ''شان حیات'' کا مرتبہ ہے جو دوسری شانوں پر غالب ہے اس لئے اس کو الگ سے شمار کیا گیا ہے جس کی حکمرانی کائنات پر جاری و ساری ہے۔

(نوٹ) مؤلف جیبی کی کاوش آخری نہیں کوئی صاحب نظر اگر اس سے بہتر حل سامنے لا سکیں تو وہ یقیناً خوش نصیب ہوں گے تحقیق کیلئے دروازے کھلے ہیں۔

چونکہ ''شان حیات'' خصوصیت کی حامل ہے اور اس کی شان و قدر غالب ہے اس لئے نور قرآن'' کا تیسرا درجہ شان حیات ہے۔

اس طرح دونوں کے مراتب تین تین ہیں جن کو نیچے دوبارہ لکھا جاتا ہے۔

1: نور نبی کے تین مراتب:

ا:۔ جوہر محبت ۲:۔ شعور (شانِ علم) ۳:۔ نور

2: نور قران کے تین مراتب:

ا:۔ کمالاتِ ذاتی ۲:۔ شیون ۳:۔ شانِ حیات

3: عدم:

مندرجہ بالا سطور میں نور نبی ﷺ کی تخلیق کا ظہور میں آنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عدم بھی ظہور میں آ گیا تھا لہذا کن سے ظہور میں آنے والے تین رخ ہیں۔

ا:۔ نور قران ۲:۔ نورِ نبی ۳:۔ عدم

مندرجہ بالا سطور میں دونوں نوروں کے تین تین مراتب واضح ہو چکے ہیں اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ان کو تین تین مراتب کا جامع ثابت کرنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ حقیقت حال یہ ہے کہ جب کائنات کی تخلیق کے نظام اور اسکی تخلیق کے مرحلہ وار مناظر سے آگاہی ہوتی ہے تو یہ بات بڑی واضح طور پر سامنے آتی ہے، کہ انسان اور کائنات میں جو باہمی تعلق ورشتہ ہے، وہ تین رخوں کا جامع ہے نیز قران کریم جو حرف والفاظ کی صورت میں ہے کے نزول کے بھی تین مراحل ہیں جس کا قدرتی تقاضا یہ ہے کہ اس پر تفکر کیا جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ انسان کائنات اور قران کا تین تین رخوں کے جامع ہونا کس بنیاد پر ہے؟ اس تقاضے نے مؤلف حبیبی کو کئی سال تک اس الجھن میں سرگردان رکھا۔ آخر مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ سے رہنمائی حاصل ہوئی تو مندرجہ بالا اسرار اور رموز کو لکھنے کی جرات ہوئی۔

عدم:۔ مندرجہ بالا دونوں نور امر کن کے صادر ہونے سے ظہور میں آ گئے تھے جس سے تخلیق کا آغاز ہو گیا تو عدم بھی ظہور میں آ گیا جس نے تمام امتیازات کو واضح کر دیا اور کن بصورت یکون ظاہر ہوا۔ یعنی ''کن'' کے مرحلہ سے گزر کر وجود میں آنے والی شے ''یکون''

۱ کے مرحلہ میں داخل ہوگئی۔

۲ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''یکون'' اور ''ترجعون'' کے مرحلوں کی حقیقت کیا ہے؟ اُن کی
۳ حقیقت کے بارے میں قران کریم میں یوں ارشاد ہے۔

۴ القران

۵ ا:۔ انما امرہ اذا اراد شیاء یقول له کن فیکون۔

۶ ۲:۔ سبحن الذی بیدہ الملکوت کل شئی ء الیه ترجعون۔

۷

۸

۹ (سورۃ یٰسین آیت نمبر 82,83)

۱۰ ترجمہ:۔ا:۔(اس کے یہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے) اس کی شان یہ کہ وہ جب کسی شے کو
۱۱ (پیدا کرنے) کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔

۱۲ ۲:۔پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار کامل ہے (اس نے تم سب کو
۱۳ پیدا کیا) اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔(فیوض قران)

۱۴ مندرجہ بالا آیات میں پہلی آیت کا آخری لفظ ''فیکو ن'' ہے۔

۱۵ اور دوسری آیت کا آخری لفظ ''الیہ ترجعون''

۱۶ یکون کا معنی ہے، ہو جانا ہے اور ترجعون کا معنی ہے واپس لوٹ جانا جب ان الفاظ کو آیات
۱۷ کے مفہوم کے سیاق وسباق کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو ''عمل کن'' کے دو رخ واضح
۱۸ ہوتے ہیں جس کی مثال گھڑی کی سوئی کی حرکت سے ملتی ہے، جس طرح گھڑی کی سوئی
۱۹ ایک دائرہ میں گھومتی ہے پہلے وہ سوئی نصف دائرہ کو اوپر سے نیچے کی طرف طے کرتی ہے،
۲۰ پھر باقی کے نصف دائرہ کو نیچے سے اوپر کی طرف چل کر مکمل کر لیتی ہے، اس طرح عمل کن
۲۱ کے دو رخ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱:۔یکون ۲:۔ترجعون

وضاحت

یکون:۔یکون عمل کن کے سفر کا وہ رخ ہے جو بلندی سے پستی کی جانب اور عدم سے وجود کی طرف جاتا ہے

ترجعون:۔ترجعون عمل کن یعنی تخلیق کے سفر کا وہ رخ ہے جو پستی سے بلندی کی جانب اور وجود سے عدم کی طرف جاری ہے۔

مفہوم:۔جس رفتار سے یکون کا عمل سفر کرتا ہے اسی رفتار سے ترجعون کا عمل سفر کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو کائنات کا نظام قائم ہی نہیں رہ سکتا، جیسا کہ گھڑی کی رفتار کی مثال سے واضح ہے کہ اگر سوئی کی رفتار دو رخوں کے طے کرنے میں یکساں نہ ہوتو گھڑی کے اوقات کا نظام بگڑ جاتا ہے، اسی طرح کائنات کا نظام درہم برہم ہوسکتا ہے، لہذا کائنات کی تخلیق کا سفر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (سفر تخلیق ص 123/122)

۱:۔سفر یکون:۔حضرت آدم علیہ السلام کا سفر یکون تخلیق کے آغاز سے کائنات کی تکمیل تک

۲:۔سفر ترجعون:۔تخلیق کی کائنات کی تکمیل سے لے کر لوٹ جانے تک یعنی قیام قیامت تک

وضاحت

پہلا حصہ یکون:۔مقام کن سے شروع ہوتا ہے، اور نزول کرتے کرتے مدت دراز کے بعد کائنات کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو کائنات کا سب سے نچلا کنارہ، کونہ۔۔۔طبق ہے

چونکہ کائنات کے کارخانہ کی عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تکمیل کے تمام مراحل طے ہوگئے اور وہ جنت سے ھبوط کر کے ارض پر پہنچے تو انکا پہلا قدم جب زمین سے مس ہوا تو ''یکون'' کے سفر کی انتہا ہوگئی تھی۔

دوسرا حصہ ترجعون:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کے زمین کو چھونے کے بعد پہلا سانس لینے سے ترجعون کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

آنے والے صفحات میں یکون اور ترجعون کی تفصیل قران وحدیث کے حوالہ سے بیان ہو گی، یہاں خاکہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ترجعون کی حقیقت واضح ہو جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو جمعہ کے دن عصر کے وقت سے بنانا شروع کیا گیا، جس کی تفصیل یوں ہے، ان کے قالب کے وجود کے اجزاء کرہ ارض سے اٹھائے گئے ان کے قالب کو جنت میں سنوارا گیا۔ پھر عالم بالا ہی میں ان کے قالب میں روح پھونکی گئی۔ اسماء کا علم سکھایا گیا، خلافت عطا کی گئی، فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا، اہلیہ حضرت حواء علیہ السلام کے ساتھ جنت میں رکھا گیا پھر جنت سے اس وقت نکال لیا گیا جب سورج غروب ہوا چاہتا تھا جونہی حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے۔ سورج غروب ہو چکا تھا ، جس سے جمعہ کے دن کی تکمیل ہو گئی تھی اور شب کے آغاز سے ہفتہ (شنبہ) کے دن کا آغاز ہو گیا، اسی شب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ہمراہ دیگر انواع اور ساز و سامان کو بھی اتار دیا گیا۔ تکوین کے اصول کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا نزول طلوع فجر کے وقت ہونا واضح ہوتا ہے جس سے دن کا آغاز ہو جاتا ہے تو وہ صبح شنبہ (ہفتہ کے دن) کی صبح تھی، گویا زمین پر حضرت آدم علیہ السلام ہفتہ کے روز ھبوط کر کے پہنچے تھے لہذا اس عالم دنیا میں انسانی زندگی کا آغاز ہفتہ کے روز سے ہوا تھا، چونکہ کائنات کی زندگی سات دنوں کے دائرہ پر گردش کرنے والی ہے جب قیامت آئے گی تو جمعہ کے دن اس وقت آئے گی جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو بنانے کا آغاز کیا گیا تھا تا کہ کائنات اور انسانی زندگی کے سات دن مکمل ہو جائیں ایک لمحہ بھی کم یا بیش نہ ہونے پائے گا۔

قران کریم میں بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ عالم دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر عالم بالا کا ایک دن ہے، جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مرحلے طے پائے تھے

مگر جب زمین پر آئے تھے تو دن چوبیس گھنٹے کا تھا، آدم علیہ السلام کی تخلیق کے تمام مراحل زمین پر ھبوط کر کے پہنچنے تک "یکون" کا دور تھا، جب آپ علیہ السلام نے زمین پر پہنچ کر پہلا سانس لیا، تو ترجعون کے سفر کا آغاز ہو گیا، ھبوط سے لیکر قیامت تک کا درمیانی وقفہ (وقت) ٹھیک سات دنوں پر محیط ہے، لیکن کائنات کا وہ حصہ جس کو چھ دنوں میں پیدا کیا گیا وہ یکون کے اصول کے مطابق مکمل نہیں ہوتا جب تک سات دن پورے نہ ہوں لہذا یہ تجسس برقرار رہے گا، کہ ساتویں دن میں کیا پیدا کیا گیا تھا جو یکون کا حصہ ہے، لیکن اس کا ذکر نہیں کیا گیا، اس میں کیا حکمت ہے؟

مندرجہ بالا عبارت میں یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ تخلیق کا آغاز "کن" کے صادر ہونے سے ہو گیا تھا، لیکن یہ جاننا باقی ہے کہ کائنات کی تخلیق کی تکمیل کیسے اور کب ہوئی تھی اس کا حل، قرآن اور حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

<u>القرآن</u>

1:۔ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں بنایا (یعنی آسمانوں اور زمینوں کو بتدریج چھ ادوار میں پیدا فرمایا) پھر (اپنے) عرش (حکومت) پر یوں قیام فرمایا (جو اس کی شان کے لائق ہے)، اس کے علاوہ تمہارا کوئی دوست (بہی خواہ حمایتی) اور سفارش کرنے والا نہیں، کیا پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اپنے محبت کرنے والے رب کی حمایت، عنایت، اور رحمت کا دامن کیوں چھوڑتے ہو کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں۔

2:۔ وہی آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے، (ہر شے اس کے امر کے تابع ہے) پھر اس کے پاس پہنچ جائے گا، ایک ایسے دن میں جو تمہارے دنوں کے مطابق ایک ہزار سال کا ہوگا۔

(سورہ سجدہ)

آیت نمبر 5,4 ترجمہ فیوض القرآن)

مندرجہ بالا آیات میں آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا گیا۔ جس کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے، گویا چھ دن برابر ہے چھ ہزار سال کے، ان دنوں میں جن چیزوں کو بنایا گیا ان کی ترتیب اگلی سطور میں ہے۔

3:۔ جو لوگ کافر ہیں، انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ (یہ) آسمان اور زمین ملے جلے تھے، (دونوں میں امتیاز نہ تھا) پھر ہم نے انکو جدا جدا کر دیا، (دونوں کو جدا جدا خواص بخشے ارض میں قبولیت کی صلاحیت دی، آسمان سے بارش ہوئی) اور ہم نے ہر جاندار شے کی تخلیق پانی سے کی، پھر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (کیوں ان کے قلوب کائنات کو دیکھ کر خالق کی طرف رجوع نہیں ہوتے)

(سورہ الانبیاء 32,75 آیت صفحہ نمبر 308 ترجمہ فیوض القرآن)

4:۔ آپ (ذرا ان سے) پوچھیئے کہ تم لوگ اس (ذات) سے منکر ہو جس نے دو دن میں (تھوڑے سے وقفہ میں) زمین بنائی اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو ہمسر ٹھہراتے ہو (یاد رکھو) وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

5:۔ اور اس نے (زمین) میں اوپر سے بھاری پہاڑ رکھے اور اس (زمین) کے اندر بڑی برکت رکھی، (قسم قسم کی کانیں اور نشو و نما کی قوتیں) اور اس میں (اپنی مخلوق کے لئے) سامان معیشت مقرر کیا (یہ سب کچھ اس نے) چار دن کے اندر (یعنی چار ارتقائی منازل میں پیدا کیا) جو تمام طلبگاروں کے لئے یکساں ہے، (جو بھی کوششیں کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے ان خزینوں کے حصول میں کاوش کرتا ہے، اس سے فیض یاب ہوتا ہے)

6:۔ پھر اللہ تعالیٰ زمین کی تخلیق کے بعد آسمان کیطرف متوجہ ہوا کہ وہ (اس وقت) دھواں (سا) تھا، پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے (مشیت ایزدی کے مطابق) ایک دوسرے کا اثر قبول کرو، تاکہ ایک نظام قائم ہو اور دنیا آباد ہو سکے

۱ ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔(جو خدمت جس کے سپرد ہو ہم بجالائیں گے)

۲ 7:۔ پھر ہم نے دو دنوں میں سات آسمان بنائے اور ان کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا،

۳ جو کام ان کے سپرد ہیں۔

۴ ترجمہ فیوض القرآن) سورہ حم سجدہ 61,41 آیت نمبر 9.10.11)

۵ مندرجہ بالا آیات میں کائنات کا وہ حصہ جو چھ دنوں میں بنایا گیا اس کی ترتیب حضور ﷺ

۶ نے یوں بیان فرمائی ہے:۔

۷ مفہوم حدیث:۔ حضرت حاکمؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہودی آپ

۸ کے پاس آئے اور زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

۹ اللہ تعالیٰ نے

۱۰ 1: اتوار، سوموار کے روز زمین کو پیدا کیا۔ 2: منگل کے روز پہاڑوں کو پیدا کیا

۱۱ 3: بدھ کے دن درخت پانی سبزہ اور آبادیاں اور ویرانے پیدا کئے ان چاروں دنوں میں

۱۲ روزیاں متعین کیں۔

۱۳ 4: جمعرات کے دن آسمان پیدا کئے۔ 5: جمعہ کے دن ستارے، چاند اور

۱۴ سورج کو بنایا

۱۵ (جمعہ کے دن) میں ابھی تین ساعت باقی تھیں کہ ان ساعتوں میں سے

۱۶ 1:۔ پہلی ساعت میں اجال (اموات) پیدا کیں

۱۷ 2:۔ دوسری ساعت میں ہر اس چیز پر آفات ڈالی، جس سے انسان نفع حاصل کرتا ہے۔

۱۸ 3:۔ تیسری ساعت میں آدم کو پیدا کیا اس کو جنت میں سکونت دی، شیطان کو سجدہ کا حکم دیا

۱۹ گیا ـــــ آخری ساعت میں اس کو نکال دیا گیا۔

۲۰ (حدیث)

۲۱ مندرجہ بالا حدیث کے مفہوم سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

1 ...... زمین کی تیاری میں دو دن اور اس کی زینت کے لئے دو دن صرف ہوئے، یعنی زمین چار دنوں میں تیار ہوئی۔

2 ...... آسمانوں کو بنانے میں ایک دن صرف ہوا۔

3 ...... آسمانوں کو سجانے میں یعنی ستارے، چاند اور سورج کو بنانے میں پون دن صرف ہوا۔

4 ...... 1/4 حصہ دن کا جو باقی بچا تھا وہ وقت عصر سے مغرب کا دورانیہ ہے جس کو تین ساعتوں میں تقسیم کر کے پہلی ساعت میں اجال دوسری ساعت میں آفات اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

نتیجہ: 1۔ زمین کے بنانے اور آباد کرنے میں چار دن اور مزید دن کا 1/4 حصہ خرچ ہوئے یعنی 4,1/4 (سوا چار) دنوں میں زمین کے تخلیق کا کام مکمل ہوا تھا، اس لحاظ سے زمین کی اہمیت ارض وسماء سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

2۔ زمین کے مقابل آسمانوں کی تخلیق اور ان کو سجانے میں پونے دو دن صرف ہوئے تھے۔

3۔ آسمان کو زیبا کرنے کے بعد سب سے آخر میں سورج کو پیدا کیا گیا تھا اور زمین کو آباد کرنے کے لئے سب سے آخر میں آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔

4۔ جب سورج اور آدم علیہ السلام کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے تفکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔ کہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت سے سرفراز فرما کر مخدوم کائنات اور حاکم کائنات بنا دیا اور سورج کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے سورج خادم کائنات ہے۔ محکوم و مامور جو آدم کے زیرِ تسخیر ہے۔

مندرجہ بالا آیات کا خلاصہ اور مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے اور کچھ آیات اگلے صفحات میں درج ہوں گی۔ جن کا مفہوم بھی بیان ہو چکا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے

بارے میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں جب قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو جو تفصیل سورۃ بقرہ کی آیات میں بیان کی گئی ہے۔ وہ در حقیقت سورہ والتین کی آیت لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی ہے جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے اجمال کی تفصیل ہے جس کو نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیات 30 تا 36

30:......اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے عرض کیا (اے پروردگار) کیا تو زمین میں ایک ایسے کو (نائب) بنائے گا۔ جو شر و فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور کمال پاکیزگی کو بیان کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

31:......اور اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام آدم علیہ السلام کو سکھا دیئے پھر ان ہی چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھ کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو (کہ مستحق خلافت تم ہو، آدم نہیں)

32:......انہوں نے عرض کیا "تیری ذات پاک ہے۔ ہم کو علم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا بیشک تو ہی (اصل) جاننے والا حکمت والا ہے (تو ہی آدم کی استعداد، سر خلافت کو جانتا ہے تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔)

33:......فرمایا اے آدم! اب تم انہیں ان (چیزوں) کے نام بتلاؤ، پھر جب اس نے (آدم علیہ السلام نے) فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے۔ (تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کی سب پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور (وہ بھی) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (یہاں تکتمون) فرما کر

متنبہ کر دیا کہ دل میں بات نہ چھپاؤ اور اصل شیطان کو ہی متنبہ کرنا منظور تھا جو دل میں خطرہ لئے بیٹھا تھا یہ اللہ کا کرم اور اس کی رحمت تھی۔ بد بخت نے اس تنبیہہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور وقت امتحان آ گیا۔

34: ......اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (سجدہ تعظیمی بجالاؤ) تو (سب) سجدے میں گر گئے۔ سوائے شیطان کے، اس نے انکار کیا اور اپنے کو (اپنی ذات کو) بڑا سمجھا اور (وہ) تھا (ہی) کافروں میں سے (اللہ تعالیٰ دل کے حالات سے واقف ہے) شیطان کی عبادات کی غرض سے واقف تھا (معلوم ہوا جو غرض سے عبادت کرے اور غرض کے پورا نہ ہونے پر ترک کر دے وہ شیطان ہے) جو بہر حال عبادت کرے (وہ آدم علیہ السلام ہے)۔

35: ......اور ہم نے کہا کہ اے آدم، تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور تم دونوں جو چاہو، (اور) جہاں کہیں سے چاہوں کھاؤ۔ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

36: ......پھر شیطان نے ان دونوں کو ان کی جگہ سے پھسلا دیا (بہکا دیا) پھر ان کو اس (عزت وراحت) سے جہاں (وہ) تھے نکلوا دیا اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب نیچے اتر جاؤ (جنت سے چلے جاؤ) تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) زمین تمہاری قیام گاہ ہے اور (وہیں رہ کر تم کو) ایک وقت معینہ تک نفع اٹھانا ہے (خواہ دنیا بنا لو یا دین و دنیا دونوں)

سورۃ بقرہ کی سات آیات کے متن اور ترجمہ پر غور کیا جاتا ہے تو درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

1: ......حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے یہ چیزیں موجود تھیں۔

(1) زمین (2) فرشتے (3) شیطان (4) اور وہ تمام اشیاء جو آدم علیہ السلام کی زندگی

کیلئے ضروری تھیں (5) جنت (6) وہ درخت اور دیگر اشیاء جن کی ضرورت جنت میں تھی۔ ۱

2:......وہ چیزیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ظاہر ہوئیں۔ ۲

(1) اسماء کا علم جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بلا واسطہ خود سکھایا تھا۔ ۳

(2) فرشتوں سے سجدہ کرانا ۴

(3) حضرت حواء علیہ السلام کی تخلیق ۵

ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مقام اور ان کی تخلیق کے طریقہ کا علم حاصل کرنا ۶
ہے تاکہ ہم قارئین تک پہنچا سکیں۔ اس لئے چند سوالات وارد کیے جاتے ہیں تاکہ ان کے ۷
جواب کی صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقام اور تخلیق کا طریقہ کار سامنے آ ۸
جائے۔ ۹

سوالات: حضرت آدم علیہ السلام کو: ۱۰

(1) اسماء کا علم کہاں سکھایا گیا (2) فرشتوں سے سجدہ کس جگہ پر کرایا گیا (3) حضرت ۱۱
حواء کو کب رشتہ ازدواج میں جوڑا گیا اور کہاں جوڑا گیا (4) جس وقت حضرت آدم علیہ ۱۲
السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں سکونت اختیار کرنے کیلئے حکم دیا گیا اس وقت وہ دونوں ۱۳
کہاں تھے (5) دونوں جس جگہ پر تھے اس جگہ سے جنت کس سمت میں تھی اور کتنا دور تھی ۱۴
(6) جب حضرت آدمؑ اور حضرت حواء دونوں کو جنت سے نیچے اتر جانے کا حکم ملا تو وہ اتر کر ۱۵
کہاں تشریف لے گئے تھے (7) اگر جنت سے اتر کر زمین پر تشریف لائے تھے تو کتنے ۱۶
عرصہ میں وہ زمین پر پہنچے تھے (8) فرشتوں سے مشورہ اللہ تعالیٰ نے عالم بالا کے کس مقام ۱۷
پر لیا تھا اور فرشتوں نے جواب کس مقام پر دیا تھا (9) حضرت آدم علیہ السلام کو کس مقام ۱۸
سے اٹھا کر عالمِ بالا میں لے جایا گیا (10) حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کو ۱۹
کس مقام پر پھونکا گیا (11) حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر جس جگہ واپس کیا ۲۰
گیا وہ جگہ اسفل سافلین ہے۔ اسفل سافلین سے مراد کرہ ارض ہے یا کوئی اور جگہ ہے؟ ۲۱

مندرجہ بالا تمام سوالات کے جوابات بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جنت ملک کائنات میں کس جگہ پر واقع ہے اور اس کے نیچے اوپر کیا کیا چیزیں ہیں۔ لہذا جنت کے بارے میں مطلوبہ معلومات کے لئے قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہ پر جنت کی وسعت کو زمین و آسمان کے برابر قرار دیا ہے۔

القرآن: سورۃ الِ عمران آیت 133 کا ترجمہ

آیت: اپنے خیال، ذہن، فعل سب کے ساتھ اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف سبقت کرو (جلدی کرو کہ وہ اپنی مغفرت میں تم کو ڈھانپ لے اور جنت عطا کرے) جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے (اور) وہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

القرآن: سورۃ سجدہ

آیت نمبر 21: اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف (ایک دوسرے پر) سبقت لے جاؤ اور (اس) جنت کی طرف (دوڑو) جس کی وسعت آسمان اور زمین کی سی ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات میں جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت کے برابر بیان کی گئی ہے۔ جس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ جنت یقیناً آسمانوں اور زمین سے باہر ہے تو پھر کہاں پر واقع ہے۔

اس کے محل وقوع کے بارے سورۃ نجم میں بیان کیا گیا۔

سورہ نجم

آیت 13: اور اس کو تو انہوں نے ایک بار اور بھی دیکھا یعنی سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔

آیت 14: اور بیری کا وہ درخت ہے جو ساتویں آسمان کے بھی اوپر ہے اور یہ وہ حد ہے جو انتہائی محل ترقی درجات ہے اور (یہ وہ مقام ہے)

آیت 15: جس کے پاس جنت ماویٰ ہے۔ (ترجمہ: سورۃ نجم 53۔ فیوض القرآن)

تفسیر: سید محمود الحسن شاہ صاحب لکھتے ہیں: دوسری بار حضرت جبرائیل کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا معراج کی رات میں، سات آسمانوں سے اوپر جہاں بیری کا وہ درخت ہے جو سرحد ہے نیچے اور اوپر کی۔ نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے اترتے ہیں اس کے پاس جنت کو دیکھا۔

تنبیہہ: جس طرح جنت کے انگور اور انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ محض نام کا اشتراک اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا جائے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ کہ وہ بیری کس طرح کی ہوگی۔ بہر حال وہ بیری ادھر (نیچے) اور ادھر (اوپر) کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ اِدھر سے اوپر چڑھتے ہیں۔ اور جو احکام اوپر (اُدھر) سے اترتے ہیں سب کا منتہیٰ وہ ہی ہے۔

مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا۔ واللہ اعلم (مولانا شبیر احمد عثمانی)۔

مندرجہ بالا سورۃ نجم کی تین آیات 13-14-15 میں آسمان کی حد، سدرۃ المنتہیٰ کی حد اور جنت الماویٰ کا محل وقوع واضح ہو گیا جن کی ترتیب یوں ہے، سات آسمانوں کی حد جہاں ختم ہوتی ہے اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے جہاں سدرۃ المنتہیٰ کی حد تمام ہوتی ہے وہاں سے جنت الماویٰ کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

گزشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جب حضور ﷺ کی ایک حدیث کے مفہوم کو دیکھا جاتا ہے تو جنت کا محل وقوع اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

حدیث کا مفہوم بحوالہ تفسیر مظہری سورۃ نجم کی تفسیر کے ضمن میں درج ہے۔

''جنت کا چھت عرش ہے''

قرآن کریم نے جنت کی وسعت واضح کر دی ہے۔اور حدیث نے جنت کا محل وقوع اس طرح واضح کر دیا کہ کوئی الجھن باقی نہیں رہتی اس لئے جنت کے ساتھ عرش کا محل وقوع بتا دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے،تو عرش سے نیچے جنت وہاں تک پھیلی ہوتی ہے جس کی نچلی حد۔سدرۃ المنتہٰی ہے۔یعنی جنت سدرۃ المنتہٰی اور عرش کے درمیان واقع ہےاور وہ اتنی بڑی ہے جتنا حجم آسمانوں اور زمین کا ہے۔

سدرۃ المنتہٰی کے نیچے سات آسمان اوپر سے نیچے تک تہہ بہ تہہ ہیں اور ہر آسمان دوسرے آسمان سے اتنے فاصلہ پر ہے جتنا فاصلہ زمین سے پہلے آسمان کے درمیان ہے۔

(معراج اسریٰ کے بیان میں حدیث درج ہے)

1: سدرۃ المنتہٰی ایک درخت ہے جس کی اصل (جڑ) چھٹے آسمان میں ہے۔اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور بلندی میں ساتویں آسمان سے بھی گزر گیا ہے۔ملائکہ اور ارواح شہداء واتقیا! میں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

(کنز الایمان بشمول خزائن العرفان از سیدنا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ 949 حاشیہ 16)

حضور ﷺ کا ایک دیگر ارشاد ہے کہ" اگر عرش پر کھڑے ہو کر پتھر کو نیچے پھینکا جائے تو وہ سیدھا خانہ کعبہ پر آ کر گرے گا۔"

(نوٹ) اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عرش اور خانہ کعبہ دونوں اوپر سے نیچے تک ایک سیدھ میں ہیں اگر دونوں مقامات کے درمیان خط کھینچا جائے تو وہ خط مستقیم ہو گا اور یہی امر ثابت کرتا ہے کہ صراط مستقیم خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے اور وہ عرش کو عبور کرتے ہوئے بہت اوپر نکل جاتا ہے۔حتیٰ کہ عالم اجسام سے اوپر عالم مثال کو عبور کرتے ہوئے عالم ارواح کو بھی عبور کر جاتا ہے۔کائناتی حقائق کی اوپر سے نیچے تک ترتیب یوں ہے۔

1:......عرش کے نیچے جنت

2:......جنت کے نیچے سدرۃ المنتہٰی

3:......سدرۃ المنتہٰی کے نیچے سات آسمان

4:......سات آسمانوں کے نیچے زمین

5:......کرہ ارض کے عین مرکز میں کعبہ ہے، جسے زمین کی ناف قرار دیا گیا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی، تو وہ ابوتراب ٹھہرے۔

مندرجہ بالا کائناتی حقائق کے تناظر میں جب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کا جنت میں سکونت کیلئے موجود ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو جنت میں پیدا کیا گیا۔

حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی تخلیق پر مزید دلائل

i):۔امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کیساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو وحشت ہوتی تھی یعنی آپ کی بیوی نہ تھی جس سے ان کو سکون ملے ایک دن وہ سو گئے بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا عورت۔ پوچھا تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ کہا تاکہ تم کو مجھ سے سکون ملے۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا۔ اے آدم علیہ السلام اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا: حواء۔ پوچھا آپ نے اس کا نام حواء کیوں رکھا؟ فرمایا اس لئے کہ یہ زندہ (حی) سے پیدا کی گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔

(جامع البیان جلد 1 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت 1409ھ)

۱ ii):۔القرآن

۲ هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها(ج)

۳ ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور پھر اسی ذات سے

۴ بیوی کو بنایا تا کہ تو اس سے سکون حاصل کرے۔

۵ (سورۃ الاعراف 39/7 آیت 189)

۶ iii):۔الحدیث

۷ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت کیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان

۸ کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو کیونکہ

۹ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اوپر والے حصہ میں

۱۰ ہوتا ہے۔اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی

۱۱ سو عورتوں کیساتھ خیر خواہی کرو۔

۱۲ (صحیح بخاری جلد 1 مطبوعہ نور محمد اصح المطالع کراچی 1381ھ)

۱۳ گذشتہ عبارت میں خانہ کعبہ اور عرش کے ایک سیدھ میں ہونے پر مزید تائید سورۃ انعام

۱۴ نمبر 6 کی آیات نمبر 125,126 کرتی ہیں کہ انسان جو خلاصہ کائنات ہے۔اس کے

۱۵ سینہ کے اندر صراط مستقیم ہے۔حدیث مبارکہ میں عرش اور خانہ کعبہ کو ایک سیدھ میں بیان کیا

۱۶ ہے پھر خانہ کعبہ کے مقام کو کرہ ارض کا مرکزی مقام قرار دیا ہے جو زمین کا عین وسط ہے لہذا

۱۷ انسان کے اندر بھی صراطِ مستقیم عین وسط میں ہے۔قرآن کی تائید حدیث اور حدیث کی

۱۸ تصدیق قرآن کرتا ہے۔لہذا یہ حقیقت ہے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۹ اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ جس ترتیب سے عرش اور اس کے نیچے جنت

۲۰ پھر اس کے نیچے سدرۃ المنتہیٰ پھر اس کے نیچے سات آسمان تہہ بہ تہہ پھر اس کے نیچے کرہ

۲۱ ارض ہے۔جس کے عین مرکز میں کعبہ کی عمارت ہے۔یہ ایک ایسا نظام قائم ہے جس کے

تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عرش عظیم پر واقع ہوئی تھی، قرآن کریم میں اس کا اجمال یوں ہے:

القرآن: **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنه اسفل السافلین:**

ترجمہ: البتہ ہم نے انسان خاص (آدم) کو سب سے خوبصورت سانچہ میں بنایا۔ پھر ہم نے اس کو اسی جگہ پر واپس کر دیا جس جگہ سے اٹھا کر لایا گیا تھا (اور وہ) جگہ کائنات کا سب سے نچلا سب سے پست سب سے دور طبق کنارہ پیندا یا علاقہ ہے۔

یعنی آدم علیہ السلام کے قالب کو یا اجزائے قالب کو کرہ ارض سے اٹھا کر عالم بالا میں لے جایا گیا۔ پھر اسے عالم بالا میں ہی تخلیق کے مراحل سے گزار کر کرہ ارض پر بھیج دیا گیا۔ اسفل اسافلین سے مراد کرہ ارض ہے۔ جس کے بارے میں حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔

''مرد کا ظاہر خلق ہے اور باطن حق ہے اسی لئے روح مدبرِ بدن ہے اللہ تعالیٰ اس روح کے توسط سے بدن کو تدبر کرتا ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک اعلیٰ علین سے لے کر اسفل اسافلین تک، کیونکہ اجزائے عالم سے بظاہر سب سے پست زمین ہے۔ (فسوس الحکم ص 442 ترجمہ: پروفیسر علیگ عبدالقدیر مطبع صفحہ......؟)

مندرجہ بالا آیات، احادیث اور فصوص الحکم کی عبارت پر تفکر کیا جاتا ہے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ آدم علیہ اسلام کی تخلیق کا عمل عالم بالا یعنی عرش عظیم پر واقع ہوا تھا۔

جب یہ بات دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہے، کہ آدم علیہ السلام کے قالب کو کرہ ارضی سے اٹھا کر عرش پر لے جایا گیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت میں لے جایا گیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عالم بالا میں لے جایا گیا۔ اتنے شواہد ملنے کے بعد پھر بھی یہ سوال کیا جائے کہ کیا حضور ﷺ شب معراج میں روح کے ساتھ عالم بالا میں تشریف لے گئے تھے؟ یا ظاہری وجود کے ساتھ، حیرت ہے اس پر جو ایسا

خیال بھی کرتا ہے کہ رسول ﷺ نے شب معراج میں عالم بالا کا سفر روح سے کیا تھا تاریخ میں اتنے شواہد موجود ہوتے ہوئے پھر اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کہ رسول ﷺ نے وجود بشری کے ساتھ معراج کیا تھا، عالم بالا میں انبیاء کے تواتر سے جانے کے بعد حضور ﷺ کے معراج پر تعجب اور حیرت کا کیا کام۔؟

نوٹ:۔ حضور ﷺ کے معراج میں جو انفرادیت پائی جاتی ہے اس کا ذکر حضور ﷺ کے یکے بعد دیگرے تین معراج ہیں نیز حضور ﷺ کا ہر سفر معراج کا تعلق کائنات کی تخلیق کے پروگرام سے وابستہ ہے۔ جن کا ذکر مؤلف کی تالیف ''معراج ثلاثہ'' میں تفصیل کے ساتھ درج ہوگا۔

نوٹ:۔ ثم رددنہ کا حلقہ اثر صرف اس حد تک محدود نہیں کہ آدم کو کرہ ارض پر واپس بھیج دیا۔ ردد نہ کی وسعت کی بہت سی جہتیں ہیں۔

i) پہلی جہت وہ تمام توانائیاں جو حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو کرہ ارض سے حاصل ہوئی تھیں ان کو کرہ ارض کو واپس لوٹانا ہے۔ جیسا کہ مرنے کے بعد قبر میں دفن ہونے پر توانائیاں لوٹانے کا عمل جاری ہو جاتا ہے، انسان زیر زمین ہو یا زمین سے باہر ہو دونوں حالتوں میں اپنی توانائیاں لوٹانے میں مصروف ہے۔

ii) دوسری جہت ان توانائیوں کو بروئے کار لا کر کرہ ارض کی آبادکاری کے کام کو سرانجام دینا۔ چنانچہ اولاد آدم آپ کے اس مشن میں مصروف عمل ہے۔

iii) تیسری جہت انسان کی تخلیق کا مقصود عبادت بیان کیا گیا جب کہ عبادت کا مقصود عالم آخرت کی آبادکاری ہے۔ اہل ایمان جنت کو آباد کرنے میں اور اہل کفر دوزخ کو آباد کرنے میں مصروف ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مقام کے تعین کے بعد آپ کی تخلیق کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کو اس وقت پھونکا

گیا تھا جب پورے قد کو ہر لحاظ سے کامل بنا لیا گیا۔ ایسا ہر گز نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام
پہلے بچہ کی صورت میں تھے پھر بتدریج بڑھتے بڑھتے ان کا قد 60 ہاتھ کا کامل ہوا تھا۔
حضرت آدم علیہ السلام کا قالب 60 ہاتھ کا تھا۔

قد آدم علیہ السلام کی تحقیق

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم علیہم الرحمۃ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو (بوقت تخلیق) انکا طول ساٹھ ذراع (30 انگریزی گز) تھا اور فرمایا جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو........ جو شخص بھی آدم کی صورت میں جنت میں داخل ہوگا اسکا طول ساٹھ ذراع ہوگا۔ پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا (موجودہ) قد کی لمبائی کی طرف اشارہ ہے۔

(الدر المنثور ج 1 ص 48 مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

نام کی تحقیق

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ امام فویابی' امام ابن سعد' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو زمین کی سطح سے بنایا گیا ہے۔ سرخ، سفید اور سیاہ مٹی سے۔ اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں سرخ، سفید اور سیاہ، پاک اور نجس۔

(الدر المنثور ج 1 ص 49 مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

جسد آدم علیہ السلام کی تخلیق

امام ابن سعد' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسکو کیچڑ

(گیلی مٹی) کردیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ سیاہ گارا ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہوکر بجنے والی مٹی کی طرح ہوگیا۔ ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزرا تو کہا یہ کسی عظیم امر کیلئے بنایا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اور روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا۔ ان کو چھینک آئی اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا القاء کیا۔ انہوں نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے (آدم علیہ السلام) اس (فرشتوں کی) جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو دیکھو یہ کیا کہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کے پاس گئے اور کہا اسلام علیکم اور انہوں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے پاس گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے عرض کی میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے کہا وعلیکم السلام۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام کرنے کا طریقہ ہے۔ (حوالہ سابقہ ص 48)

(نوٹ) آدم علیہ السلام جب فرشتوں کے پاس گئے تو وہ کس مقام پر تھے زمیں پر یا عالم بالا میں؟

الحدیث

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں صورت بنائی تو ان کو چھوڑے رکھا جتنا عرصہ چھوڑے رکھنا اللہ کی منشاء تھی۔

---

1 ذراع شرعی گز کو کہتے ہیں اور ایک شرعی گز ڈیڑھ فٹ یعنی ایک ہاتھ تک ہوتا ہے۔

اس حساب کے مطابق موجودہ گز (جو کہ 3 فٹ پر مبنی ہوتا ہے) 30 بن جائیں گے۔(اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ یہ حقائق کونیہ ہیں یا حقائق نفسانیہ۔)

تشریح: خط کشیدہ الفاظ کے ضمن میں مشکوۃ المصابیح کے حاشیہ میں منقول ہے۔

ترجمہ:۔ جو کچھ روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی (زمین کے اجزاء) سے پیدا فرمایا پھر اس کو گیلی مٹی (کیچڑ نما) کر دیا۔ پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ گارا ہو گئی۔ پھر بجنے والی مٹی ہو گی اور وہ مکہ و طائف کے درمیان مقام نعمان کے وسط میں پڑی ہوئی تھی۔

1:۔ خط کشیدہ الفاظ مذکورہ بالا مفہوم سے تعلق رکھنے والی جملہ روایات اور اس چیز کے (مفہوم) کے منافی یا مخالف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کیلئے مخصوص مٹی کو اس وقت تک چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اس (مٹی) میں یہ استعداد پیدا ہو گئی کہ صورت انسانی بنائی جا سکے۔ پھر اس مٹی کو جنت میں منتقل کر دیا گیا اور جنت میں صورت بنائی گئی۔

درج ذیل احادیث میں

حضرت مولانا فیض احمد اویسی مفسر قرآن بہاولپوری ''مجدد الف ثانی'' کے لقب پر روشنی ڈالنے کے ضمن میں رسالت مآب ﷺ کی فضیلت کے باب میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر یوں فرماتے ہیں:۔

شفا شریف میں ابو محمد مکی اور ابو اللیث سمرقندی سے منقول ہے۔

(الف):...... حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے بعد کہا اے اللہ! محمد مصطفی ﷺ کے طفیل میری لغزش معاف فرما، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تم نے محمد مصطفیٰ کو کہاں سے پہچانا؟ آدم علیہ السلام نے کہا میں نے جنت میں ہر جگہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ لکھا دیکھا۔

(ب):.....ایک روایت میں ہے، محمد عبدی ورسولی محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں ۱
،اس سے میں نے جانا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے ہیں، اللہ تعالیٰ ۲
نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اور ان کی لغزش معاف فرمادی، اس کلام کے قائل کے ۳
نزدیک اللہ تعالیٰ کے ارشاد فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه (آدم ۴
علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ۵
) کا یہی مطلب ہے۔ ۶

(ج):.....ایک روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! جب تو نے ۷
مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھایا، دیکھا کہ عرش مجید پر لکھا ہوا تھا" لا الــــه الا الـلـــه ۸
مـحـمـد رسول الـلـه" پس میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک کسی کا مقام اس ذات ۹
کریم سے بلند نہیں ہے، جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ جمع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آدم ۱۰
علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم محمد ﷺ تمہاری اولاد ۱۱
میں سے آخری پیغمبر ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ فرماتا۔ ۱۲

(د).....یعنی روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد تھی، ایک روایت میں ہے، ۱۳
انکی کنیت ابو البشر تھی، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت میں باپ ہونے کی نسبت ۱۴
حضور ﷺ کے سوا کسی طرف نہ تھی۔ ۱۵

(جہاں امام ربانی جلد دوم ص 1103/1110 زیر نگرانی ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی) ۱۶

مندرجہ بالا احادیث میں خاص خاص باتیں یہ ہیں۔ ۱۷

جزو (الف) میں حضرت آدم ﷺ نے فرمایا ہے، میں نے جنت میں ہر جگہ کلمہ طیبہ لکھا ہوا ۱۸
دیکھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ ۱۹

جزو (ج) کی عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ۲۰
عرش پر واقع ہوئی تھی، جونہی انہوں نے سر اٹھایا تو پہلی نگاہ "لا الـه الا الـلـه محمد ۲۱

رسول اللہ "پر پڑی تھی۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں مؤلف حبیبی اپنی چند معروضات پیش کرتا ہے:۔

حضرت آدم علیہ السلام کا وجود عالم اجسام کے مرکزی مقام یعنی عرش پر موجود تھا جس کو تخلیق کے دوران ہی پہلا معراج کرایا گیا۔

نیز حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہی دورِ آدمیت کا معراج اول ہے، جو عناصر اربعہ کے جامع وجود کو کرایا گیا،

استنباط:۔

ا:...... جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود جو اربعہ عناصر کا جامع تھا وہ عرش پر جا سکتا ہے، تو رسالت مآب ﷺ کا بشری وجود جو بشریت کو نوازنے اور منور کرنے والا ہے، اس وجود کا عرش پر جانے میں کونسا انوکھا عمل ہے۔

۲:...... فناءِ اول:۔ جب کسی خوش نصیب کو حقیقت محمدی ﷺ میں فنا و بقا حاصل ہوتی ہے، تو یہ فنا و بقا کا عمل عرش عظیم پر پایہ تکمیل پاتا ہے اور یہ راہ سلوک کے مسافر کی پہلی فنا و بقا ہے۔

۳:...... عرش عظیم ہی وہ مقام ہے، جہاں پر روح اور قالب میں اوادنیٰ کا عمل طے پاتا ہے ، جس سے روح، قالب کی مانند اور قالب روح کی مانند ہو گئے تھے۔

اس بات کی نشاندہی امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز نے مکتوب ۱۱۱ دفتر سوم میں کی ہے۔

۴:...... فنا ثانی:۔ حقیقت احمدی میں فنا و بقا ہے، جو عالم ارواح کے مرکزی مقام عرش اعظم (افق مبین) پر واقع ہوتی ہے، جس سے (دنیٰ) کا عمل طے پاتا ہے، تو روح کی فضیلت سے قالب کو اعلیٰ درجہ حاصل ہو جاتا ہے، روح جو قدیمی ہونے کے باعث قالب سے افضل ہے اور اسی روح سے قالب اپنے کمالات کی نسبت کے لحاظ سے روح سے اعلیٰ ہے، اور یہ

۱ فنا و بقا کا عمل (افق مبین) یعنی عرش اعظم پر واقع ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو عالم دنیا میں
۲ قالب کے اعمال پر عالم آخرت کے ثمرات مرتب نہ ہوتے۔
۳ سورہ تکویر کی آیات
۴ حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کو عرش پر یا جنت میں پھونکا گیا تھا؟ تخلیق
۵ واقع ہونے والی جگہ کے تعین میں جو تردد پایا جاتا ہے اس کو سورۃ تکویر کی درج ذیل آیات
۶ دور کرتی ہیں جن میں حضور کی شان بیان کی گئی ہے کہ
۷ 1۔ وہ صاحب قوت ہے۔ عرش کے مکین کے پاس
۸ 2۔ وہ مطاع اور امین تھے (عرش پر) ان دو آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جس
۹ کی اطاعت عرش پر ہوتی ہے۔ یقیناً اس کا عرش پر ہونا ثابت ہوتا ہے اور عرش پر مطاع اور
۱۰ امین ہونے کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں حضور ﷺ کو قرار دیا۔
۱۱ لہذا مؤلف ہذا کے نزدیک عرش پر آدم علیہ السلام کا ہونا اور فرشتوں کا اطاعت کرنا واضح ہوتا
۱۲ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عالمِ بالا ہی میں فرشتوں سے مشورہ کیا تھا جو اس کا تخت حکومت ہے۔
۱۳ (سورہ تکویر آیت نمبر......)
۱۴ گزشتہ صفحات پر پھیلی ہوئی عبارت جس کا آغاز سورۃ والتین کی تحقیق کی بنیادوں سے ہوتا
۱۵ ہے اور اس کی انتہا کائنات کی تخلیق کی تکمیل پر ہوئی اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس
۱۶ میں درج ذیل باتیں شامل ہیں۔
۱۷ 1۔ قرآن کریم کی وہ سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں وہ اجمال ہیں اور مدینہ
۱۸ منورہ میں نازل ہونے والی سورتیں ان مکی سورتوں کی تفصیل ہیں، ان میں سے سورۃ والتین
۱۹ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور سوۃ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ دونوں میں حضرت آدم علیہ
۲۰ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے۔ جو انسان کی تخلیق کا انوکھا اور نرالہ واقعہ ہے۔
۲۱ 2۔ مخلوق کی تخلیق کا آغاز امر کن سے ہوا تھا جس سے تین چیزوں کا ظہور ہو گیا

تھا۔

i)نزول نورِ قرآن ii)تخلیقِ نورِ نبی ﷺ iii)ظہورِ عدم

3۔ نورِ قرآن تین مراتب کا جامع ہے۔

i)کمالاتِ ذاتی ii)شیومات ذاتی iii)شانِ حیات

4۔ نورِ نبی ﷺ تین پرتوں کا جامع ہے۔

i)جوہرِ محبت ii)شعور (شانِ علم) iii)نور

5۔ ظہورِ عدم: عدم کا تعلق وجود سے ہے اور کن کے صادر ہونے سے جب نورِ نبی پیدا کیا گیا اسی لحہ عدم کا ظہور بھی ہو گیا تھا۔ اس کی تفصیل کو سورۃ نجم کی تحقیق کے دوران بیان کیا جائیگا۔

6۔ کن کا یکون کے مراحل میں داخل ہونا نیز یکون کے مرحلہ کی ابتداء نورِ نبی ﷺ کی تخلیق سے ہوئی تھی اور یکون کی انتہا اس جگہ اور اس لحہ پر ہوئی، جس لحہ اور مقام پر آدم علیہ السلام کے وجود کا ھبوط ہوا تھا، جونہی آدم علیہ السلام نے ھبوط کے بعد پہلا سانس کرہ ارضی پر لیا تھا اسی لحہ ترجعون کے مرحلہ کا آغاز ہو گیا تھا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

نوٹ: آدم اور بنی آدم کے وجود کے ترجعون کا مرحلہ اس وقت تمام ہو جاتا ہے، جب انسان پر موت وارد ہوتی ہے، اور کائنات کے وجود کا ترجعون کا آخری لحہ وہ ہوگا جس لحہ قیامت قائم ہوگی۔

7۔ کائنات کی تخلیق: کائنات کا وہ حصہ جو چھ دنوں میں بنایا گیا تھا وہ عالم اجسام کے وجود کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جس کا نام دنیا یعنی چھوٹی سی کائنات ہے، جس کی مثال مرغی کے انڈے کی سی ہے، جو مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے، ایسے ہی ارض و سما ایک بیضہ ہے، جسے چھ دنوں میں بنایا گیا تھا اس حصہ پر ہی فنا وارد ہوگی۔ اور باقی تمام کائنات ارض و سماء سے پہلے بنا دی گئی تھی۔ جس میں دوزخ۔ جنت۔ کرسی۔ عرش۔ لوح۔ قلم اور عالم

ارواح شامل ہیں اور یہ تمام چیزیں ارض وسما سے باہر واقع ہیں۔ ۱

8۔ بنیاد 4 کی وضاحت حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے دوران ہو چکی ہے۔ ۲

گزشتہ عبارت اور اس کے خلاصہ میں جن سات چیزوں کا ذکر کیا گیا جن کو ارض وسماء کی ۳

تخلیق سے پہلے پیدا کیا گیا تھا ان کی تخلیق کا ذکر بھی سورہ نجم کی تحقیق کے دوران بیان کیا ۴

جائے گا۔ ۵

مندرجہ بالا عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے پہلے حصہ کی وضاحت ہو چکی ۶

ہے، جو ''یکون'' کا سفر تھا، اگلی عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے دوسرے ۷

حصہ کی وضاحت ہوگی جس سے ترجعون کے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ۸

حضرت آدم علیہ السلام کا سفر ترجعون ۹

حضرت آدم علیہ السلام کی حیات کا دوسرا مرحلہ (عالم زیریں کی زندگی) ۱۰

1:۔ جب حضرت آدم علیہ السلام هبوط کر کے کرہ ارض پر پہنچے تو ان کا پہلا ۱۱

سانس (ترجعون) واپسی کا پہلا قدم تھا۔ جس سے تین امور کا آغاز ہو گیا تھا۔ ۱۲

i) کرہ ارض پر انسانی زندگی کا آغاز ہو گیا اور وہ دن ہفتہ (شنبہ) کا تھا۔ ۱۳

ii) حضرت آدم علیہ السلام (انسان) کی زندگی کی واپسی کا سفر شروع ہو گیا یعنی ترجعون کا ۱۴

مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کے لمحہ پر تمام ہو گیا۔ اور یہ سفر ۱۵

خلاصہ کائنات کی واپسی کا تھا۔ ۱۶

iii) کائنات کی زندگی کی واپسی (ترجعون) کے سفر کا مرحلہ بھی حضرت آدم علیہ السلام ۱۷

کے واپسی کے سفر کے ساتھ شروع ہو گیا تھا اور جب قیامت قائم ہوگی تو کائنات کی واپسی کا ۱۸

سفر تمام ہو جائیگا، قیامت کائنات کی موت ہے اور انسان کی موت اس کیلئے قیامت ہے۔ ۱۹

جب حضرت آدم علیہ السلام کرہ ارض پر تشریف لائے تو ان کے سپرد درج ذیل تین کام ۲۰

کئے گئے جنہیں سرانجام دینا تھا۔ ۲۱

2:۔ عالم بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر وہ تمام امور ان کے سپرد کر دیئے ، جن کو اللہ تعالیٰ خود انجام دینے والا ہے، چنانچہ ان امور کو سرانجام دینے کیلئے عالم بالا میں فرشتوں اور جنوں کو ان کے حکم کے تابع کر دیا گیا۔ جس کا ذکر یوں ہے۔ ''اسجد والا آدمؑ'' اور وہ پہلا فریضہ کیا تھا، ان تینوں کاموں کو بحیثیت خلیفہ۔ بحیثیت والد ۔بحیثیت نبی سرانجام دینا تھا۔

بحیثیت خلیفہ

پہلا فریضہ:۔''یہ تھا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تھا۔ لہذا اسی کام کو حضرت آدم علیہ السلام نے کرنا تھا۔ چنانچہ کائنات کے کارخانہ سے صنعت انسان سازی کی پیداوار حاصل کرنا تھی تاکہ حق نیابت (حق خلافت) ادا ہو، جس کو سرانجام دینے کے لئے حضرت حواء سلام اللہ علیھا کے وجود کو جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پیدا کیا گیا، اور نسل انسانی کا اجرا ہو گیا، لہذا نیابت الٰہی کے فرائض میں سے پہلا فرض نسل انسانی کا اجرا تھا، جس کا آغاز کر دیا گیا۔''

بحیثیت والد

دوسرا فریضہ:۔ حضرت آدم علیہ السلام بحیثیت باپ اپنی اولاد کو ان تمام واقعات سے آگاہ کرتے رہے ہوں گے، جو عالم بالا میں پیش آئے تھے، جس سے اولاد کے دلوں میں عالم بالا کی رعنایوں کو جان کر عالم بالا کی کشش اور جذب پیدا ہوئی، عالم بالا میں فرشتوں اور جنات کو آپ علیہ السلام کے تابع کر دیا گیا تھا، نیز کرہ ارض پر اولاد یعنی بنی آدم علیہ السلام کو تابع کر دیا گیا اور بنی آدم علیہ السلام کے افراد کارخانہ کائنات میں ایسے کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے سپرد 2 اہم کام ہیں۔

i) عالم دنیا کی آبادکاری　　　ii) عالم آخرت کو آباد کرنا

بحیثیت نبی

تیسرا فریضہ:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ بنی آدم کو ایسی تربیت دیں جس سے وہ اس قابل ہو جائیں کہ اس جنت میں جا سکیں جس جنت سے دونوں میاں بیوی اتر کر کرہ ارضی پر آئے تھے۔

اس موقعہ پر بات واضح کر دینا لازم ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیھا کو جنت میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت ان کے وجود شفاف اور لطیف تھے جو جنت میں قیام کی اہلیت کے حامل تھے۔ لیکن جب انہوں نے شجر ممنوعہ کو کھا لیا جو کثیف تھا۔ اس کے کھانے سے دونوں کے جسم مکدر اور بوجھل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے جنت ان کے وجود کی متحمل نہ ہوئی۔ لہذا جنت سے مجبوراً نکلنا پڑا۔

شجر ممنوعہ کا تکدر اور بوجھ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیھا نے اپنی چاہت اور خوشی سے قبول کیا تھا۔ چونکہ تکدر اور بوجھ کو اپنی خوشی سے قبول کیا تھا، لہذا اس کو دور کرنے کیلئے بنی آدم کو شریعت کا مکلف بنایا گیا، یہی بات ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایسا ضابطہ حیات عطا کیا گیا۔ جس میں دو باتوں کو لازم قرار دیا گیا۔

i) وہ اعمال جن سے انسان کا وجود مکدر اور بوجھل ہو جاتا ہے ان سے منع کر دیا گیا۔

ii) وہ امور جس سے انسان کا وجود شفاف اور لطیف ہو جاتا ہے ان کے کرنے کو لازم قرار دیا گیا۔ اور یہی ضابطہ حیات (شریعت) کہلائی جو امر اور نہی کے کردار کے دو رخوں پر مشتمل ہے۔

شریعت پر عمل پیرا ہونے سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو سکے۔ اور بنی آدم کے جو افراد اس پر عمل نہ کریں بلکہ اس کی مخالفت میں مصروف ہوں ان کیلئے ایسی دردناک سزا ہوگی جس کی مثال عالم دنیا میں ملنا محال و ناممکن ہے۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیھا نے شجرہ ممنوعہ کو اپنی خوشی سے

قبول فرمایا تھا۔ لہذا اولاد آدم کو وہ تکدر اور کثافت اپنے والدین کی طرف سے وراثت میں ملی ہے لہذا شریعت کا مکلف بھی بنی آدم ہے جب بنی آدم اس تکلیف کو بارضا قبول کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے، اور یہ ایسا حال ہے جس میں شریعت پر عمل کرنا اس کا پسندیدہ بن جاتا ہے تو بنی آدم میں سے کسی ایک کو حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا نائب بنا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے والد علیہ السلام کی وراثت کو حاصل کر لیتا ہے، نیز ہر آنے والا اولوالعزم نبی اپنے سے پہلے نبی کے ضابطہ حیات کی تجدید کرنے والا ہوتا ہے۔ اور یہ تجدید کا سلسلہ چلتے چلتے حضور ﷺ تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے دین (ضابطہ حیات) کو کامل و مکمل بنا دیا۔ اور فرمادیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

حضور ﷺ نے اس مشن کے قیامت تک جاری رہنے کے بارے میں جو فرمایا ہے اس کا مفہوم یوں ہے ''میری امت میں ہر سو سال کے آخر میں ایک مجدد آتا رہے گا۔'' جو دین کی تجدید کرنے والا ہوگا (جو حضور ﷺ کا نائب ہوگا)۔

<u>مندرجہ بالا عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کے عالم زیریں یعنی ترجعون کے مرحلہ کا جو خاکہ بیان کیا گیا ہے۔ اس خاکہ کے خدوخال قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں۔</u>

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا وجود، بنی آدم اور کائنات کے درمیان کس طرح واسطہ ہے؟ اس کی وضاحت قرآن کریم یوں کرتا ہے:۔

i) ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا

(سورۃ اعراف ترتیب صعودی 7 ترتیب نزولی 39 آیت نمبر 189)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے تم سب کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اس کی جنس سے اسی کا جوڑا بنایا تاکہ (انسان) اس سے تسکین حاصل کرے (فیوض القرآن)

ii) خلقکم من نفس واحدۃ ثم جعل منھا زوجھا

(آیت 6 سورۃ زمر ترتیب صعودی 39 ترتیب نزولی نمبر 59)

ترجمہ:۔اس نے تم سب کو (جو خلاصہ کائنات ہو) ایک نفس سے (ایک شخص، ایک آدمؑ سے) پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔(فیوض القرآن)

iii) یایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھا رجا لا کثیر ا و نساء

(آیت نمبر 1 سورۃ النساء ترتیب صعودی نمبر 4 ترتیب زولی نمبر 92)

ترجمہ:۔اے لوگو! اپنے رب کو (پہچانو) یعنی اس سے ڈرتے رہو (وہی تو ہے) جس نے تم کو نفس واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا (یعنی عورت کو پیدا کیا) پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔(فیوض القرآن)

مندرجہ بالا آیات کو جب ترتیب نزولی کے مطابق دیکھا جاتا ہے۔تو درج ذیل باتیں واضح ہوئی ہیں۔

۱۔سورۃ اعراف کا ترتیب نزولی کے مطابق 39 واں شمار ہے۔جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں ساتویں سال میں نازل ہوئی تھی۔

۲۔سورۃ زمر کا ترتیب کے لحاظ سے 59 واں شمار ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں نویں سال میں نازل ہوئی تھی۔

۳۔سورۃ نساء کا ترتیب نزولی کے مطابق 92 واں شمار ہے اور یہ سورۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے ساتھ پیش آنے والے خاص واقعہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا تین آیات کو جب ترتیب نزولی سے دیکھا جاتا ہے۔تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ان کی زوجہ کی تخلیق کا ذکر واضح طور پہ بتایا

ہے۔

جس کی خبر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو پہلی بار بعثت کے ساتویں سال اور پھر نادیں سال میں دی گئی پھر اس کی نسل کی خبر سورۃ النساء میں دی گئی جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔

1: جب مندرجہ بالا تین آیات اور سورۃ البقرۃ کی آیات 36 تا 30 جن میں آدم کی تخلیق کا ذکر ہے ان سب کو ملا کر ان پر تفکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نسل انسانی کا اجراء حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا دونوں کے وجود سے کیا گیا اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو حضرت سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پیدا کیا گیا۔

2: سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی تخلیق عالم بالا میں ہوئی تھی جبکہ بنی آدم کی تخلیق و ولادت کرہ ارض پر ہوتی ہے جو کرہ ارضی کو آباد کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اور اپنے والدین کی زبان سے سنے جانے والے واقعات سے جو عالم بالا میں ان کے ساتھ بیت چکے تھے۔ ان جیسی زندگی کے حصول کیلئے کشش اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کے مطابق وہ، لم آخرت کیلئے حریص ہوئے جس کا نتیجہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسالت مآب ﷺ تک کے محتاط اندازے کے مطابق بارہ ہزار سال میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے تھے۔ جن کا ایک ہی مشن تھا وہ یہ کہ بنی آدمؑ کو اسی مقام پر لے جایا جائے جہاں سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا اتر کر دنیا میں آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو والدین کے بغیر پیدا فرمایا اور اپنی سنت کو قائم رکھتے ہوئے۔ حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو بغیر والدہ کے پیدا کیا جو آدم علیہ السلام کے بعد انسان ثانی ہے، پھر حضرت عیسی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے اپنی سنت کو مکمل کر دیا، کہ اللہ

۱ تعالیٰ بغیر والدین کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔
۲ جسطرح انسان ظاہری حواس رکھتا ہے اسی طرح اس کے باطن کے بھی حواس ہیں۔
۳ ظاہری حواس:۔سننا، دیکھنا، بولنا، محسوس کرنا، چکھنا، ارادہ کرنا اور عمل کرنا۔
۴ جس طرح ظاہری حواس ہر انسان میں روز اول سے موجود ہیں۔اسی طرح باطنی حواس
۵ بھی ہر انسان میں روز اول سے موجود ہیں جن کا تعلق قلب، روح، سر، خفی اور اخفی جیسے
۶ لطائف سے ہے۔جو انسان کے باطن میں موجود ہیں لیکن ان کو حرکت میں لانے کا عمل
۷ بتدریج تکمیل پاتا ہے۔قلب کو متحرک حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔روح کے لطیفہ کو
۸ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متحرک فرمایا۔لطیفہ سر کو حضرت
۹ موسیٰ علیہ السلام اور خفی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور لطیفہ اخفی کو رسالت مآب ﷺ نے
۱۰ متحرک کیا۔جس سے انسان کے باطن کی تکمیل ہو گئی۔اور یہی وہ راز ہے جس سے انسان
۱۱ مثل فانوس ہے اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔جس کا ذکر سورۃ نور کی آیت
۱۲ نمبر 35 میں ہے کہ ''اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' پھر زمین و آسمان کو فانوس
۱۳ اور کوکب دری سے تشبیہہ دی گئی ہے۔چونکہ انسان خلاصہ کائنات ہے لہذا انسان بھی
۱۴ کائنات کی طرح ایک چمکتا ہوئے موتی کی مانند بن جاتا ہے۔اور حضور ﷺ نے اسی موقع
۱۵ پر ارشاد فرمایا'' کہ میرے صحابہ مثل نجوم ہیں ان کی پیروی کرو اور ان سے ہدایت (روشنی)
۱۶ پاؤ۔''
۱۷ اور یہی وہ منزل ہے جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
۱۸ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علکم نعمتی
۱۹ خلاصہ:۔حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو پیدا کیا گیا
۲۰ تھا۔پھر ان سے پوری نوع انسان قیامت تک جنم لیتی رہے گی۔اور حضور ﷺ کے دین
۲۱ کی تکمیل اور نعمت کو اپنے دامن میں سمیٹتی رہے گی۔حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائیگی۔اور

ترجعون کا مرحلہ مکمل ہو جائیگا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے کرہ ارض پر آتے ہی شروع ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سورہ والتین کی تحقیق میں پیش آنے والے اشکال

جب سورہ والتین کی تلاوت کی جاتی ہے، تو اس میں چند اشکال پائے جاتے ہیں ان اشکال کو سامنے لانے کے لئے آیات اور ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

القران:۔والتین وہ الزیتون ہ طور سینین ہ وھذا البدالامین ہ لقد خلق الانسان فی احسن تقویم ہ ثم رددنہ اسفل سافلین ہ الاالذین امنو اوعملو الصالحات فلھم اجر غیر ممنون ہ فما یکذبک بعد بالدین ہ الیس اللہ باحکم الحاکمین ہ

قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون کی اور طور سین کی قسم اور اس شہر امین کی قسم کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا۔ پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع (ختم) نہ ہوگا، اے مخاطب! تجھے کون سی چیز حق کو چھپانے پر مجبور کرتی ہے، کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکمین کا حاکم نہیں ہے؟

ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ اس میں تقویم کا معنی سانچہ کیا گیا ہے۔ (جو حقیقی معنی ہے)

بلی وانا علی ذلک من الشاھدین ہ ہاں میں اس پر مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہوں۔

مندرجہ بالا سورہ والتین جو آٹھ آیات پر مشتمل ہے

اس میں درج ذیل اشکال پائے جاتے ہیں جن کے حل بغیر اس سورہ کی تحقیق کا اصل روپ سامنے نہیں آتا پہلے پیش آنے والے اشکال کو لکھا جاتا ہے اس کے بعد ان کے حل پر بات ہوگی۔

1
1۔ پہلا اشکال
2 شجر انجیر شجر زیتون ۔اور طور سنین ! (شہر مکہ) ان چار چیزوں کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں،ان
3 چاروں قسموں کے اٹھانے کا تعلق اس ذات سے ہے جو خالق کائنات ہے اتنی بڑی ہستی
4 ہے،جس کا کوئی ثانی نہیں اس نے وہ کونسا ایسا انوکھا کام کردکھایا ہے،جس کو سچا ماننے کی
5 بجائے انسان کے انکار کرنے کے چار سو فیصد امکان تھے اور ہیں،اور جن حقائق کو سچا تسلیم
6 کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں اٹھائیں ،یہ کیسا عجیب معاملہ ہے اللہ تعالیٰ نے
7 ایک نہیں دو نہیں چار قسمیں کھا کر حیرت زدہ کر دیا ہے اور یہ تجسس شدت سے پیدا ہوتا ہے،
8 کہ وہ واقعہ یا واقعات کیا ہیں جن کے بارے انسان سوچنے پر مجبور ہے۔
9
2۔ دوسرا اشکال
10 اللہ تعالیٰ نے جن چار چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان میں کیا خوبیاں ہیں، کہ صرف ان ہی
11 کی قسمیں کھائی ہیں ان چار چیزوں کا انسان کی تخلیق سے کیا تعلق ہے؟ نیز اس کے پس منظر
12 میں کیا حکمت ہے؟ ان چیزوں کی اتنی اہمیت کس وجہ سے ہے؟
13
3۔ تیسرا اشکال
14 جس انسان کا ذکر کیا گیا وہ خاص انسان ہے عام نہیں اور اس انسان سے کونسا انسان مراد
15 ہے؟
16 i) حضرت آدم علیہ السلام یا ii) حضور ﷺ یا iii) بنی آدم
17 جب سب سے حسین سانچہ (احسن تقویم) میں تخلیق کا ذکر آتا ہے۔تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے
18 ،کہ حسین ترین سانچہ سے مراد کس کی صورت کا سانچہ تھا جس میں خاص انسان کو بنایا گیا۔
19 اللہ تعالیٰ کی صورت میں یا حضور اکرم ﷺ کی صورت میں یا حضرت آدم علیہ السلام کی
20 صورت میں یا عام انسان کی صورت میں؟
21
4۔ چوتھا اشکال

جب "ثم رددنه" پر غور کیا جاتا ہے تو معانی یوں واضح ہوتے ہیں۔

ثم کا معنی ہے جس طرف سے یا جس جگہ سے کوئی شے آئی ہو یا لائی گئی ہو وہ اسی طرف یا اسی جگہ واپس کر دی جائے یا کوئی دوسرا اسے واپس کر آئے، یہ معنی سورۂ والتین کی مذکورہ بالا آیت اور سورہ النجم کی آیت 8 میں ثم دنیٰ کے معنی کے ساتھ مخصوص ہے۔

(ردد) کا معنی ہے جہاں سے چیز اٹھائی تھی اسی جگہ واپس ڈال دی گئی

(نا) کا معنی ہے ہم نے اور

(ہ) کا معنی ہے وہ انسان جسے اٹھایا گیا تھا۔

5۔ پانچواں اشکال

اسفل سافلین کا معنی ہے اگر کسی 100 منزلہ عمارت کو دیکھیں تو جو سب سے اوپر والی منزل ہے اس کو عربی میں افق اعلیٰ کہا جاتا ہے، اور سب سے نچلی منزل کو عربی میں اسفل سافلین کہا جاتا ہے، قرآن پاک میں اس سے مراد کائنات کا وہ کونا یا وہ طبق یا وہ منزل ہے جو کائنات کی سب سے نچلی منزل ہے۔

جب مندرجہ بالا معانی اور مفہوم کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو جو سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

سوال 1:۔ کائنات کی سب سے نچلی منزل جس سے انسان کو اٹھایا گیا اور پھر اسی جگہ واپس کر دیا گیا وہ کونسی جگہ ہے؟ (اس جگہ کا تعین کرنا لازم ہے)

سوال 2:۔ انسان کو اٹھا کر جس جگہ یا مقام پر لے جایا گیا۔ وہ کونسی جگہ ہے؟ (اس جگہ کا تعین کرنا لازم ہے)

سوال 3:۔ چونکہ آدم سب سے نچلی جگہ سے اوپر لے جایا گیا تھا لہذا جس بلند مقام پر اس انسان کو تخلیق کے لئے لے گئے، اس کی تخلیق کے عمل کو کن کن مراحل سے گزارا گیا تھا؟

سوال 4:۔ اس کو واپس کس طرح کیا گیا؟

۱ 6۔چھٹا اشکال

۲ آیت 5 :الا الذین امنو وعملو الصالحات فلھم اجر غیر
۳ ممنون

۴ اس آیت میں مومنوں کو اسفل سافلین سے مستثنے قرار دیا گیا۔اس کی حقیقت کیا ہے؟

۵ 7۔ساتواں اشکال

۶ اجر غیر ممنون اور اجر ممنون میں کیا فرق ہے؟

۷ 8۔آٹھواں اشکال

۸ کیا" فمایکذبک بعد بالدین" میں کذب کی نسبت اسی ہستی کی طرف ہے
۹ جس پر قرآن پاک نازل کیا گیا یہ امر عقل ودانش سے بعید اور عقیدہ وایمان کے خلاف ہے
۱۰ اس کے باوجود کذب کی مخاطب وہ ہی ہستی ہو،جس پر قرآن پاک نازل کیا گیا یہ ایسا
۱۱ اشکال ہے جس کو حل کرنے کی صدیوں سے کوشش جاری ہے،اور اس اشکال کے باطن میں
۱۲ کیا راز پوشیدہ ہیں؟ جس کے حل کے لئے اہل ایمان کی حرارت ایمانی ان رازوں کو تلاش
۱۳ کرنے پر مجبور ہے،اور جب تک اشکال کا منشاء واضح نہیں ہو جاتا اس وقت تک چین
۱۴ کہاں؟

۱۵ 9:نواں اشکال

۱۶ حضورﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ جو سورہ والتین کی تلاوت مکمل کرلے اس پر لازم ہے کہ
۱۷ وہ یہ جملہ لازماً پڑھے۔

۱۸ "بلی وانا علی ذلک من الشاھدین"

۱۹ یہاں حضورﷺ کے لئے حقائق پر شاہد ہونے کی خبر دی گئی ہے اور صرف حضورﷺ ہی ان
۲۰ مشاہدات پہ اکیلے شاہد نہیں بلکہ مشاہدہ کرنے والی ایک جماعت ہے۔

۲۱ اگلے باب میں ان اشکال کے حل کے بعد سورہ پر تحقیق کی طرف رخ پھیرا جائیگا،پہلے

درج ذیل تمام حل پیش کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے شرح صدر فرمائے۔ آمین

اشکال کے حل اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱

۱ پہلا اشکال:۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار مختلف چیزوں کی یکے بعد دیگرے
۲ چار قسمیں اٹھا رکھی ہیں، ان کا پس منظر کیا ہے؟ یا ان میں کیا راز پوشیدہ ہیں؟
۳ حل:۔ اہل دنیا کی یہ ریت چلی آرہی ہے کہ جب کوئی نا قابل یقین بات یا واقعہ سامنے
۴ آجائے تو اس کو قابل یقین بنانے کے لئے کسی متبرک شے یا کسی عزیز شے کی قسم اٹھائی جاتی
۵ ہے اور اکثر ایک ہی قسم کافی ہوتی ہے اور یہ معاملہ دو فریقوں کے درمیان پیش آتا ہے، جس
۶ کی چند مثالیں لکھیں جاتی ہیں۔
۷ (الف):۔ ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں رات کو آسمان پر گیا وہاں فرشتوں سے باتیں
۸ کر کے آیا ہوں یہ بات نا قابل یقین ہے اس کو سچا تسلیم کرانے کے لئے کسی متبرک شے کی
۹ قسم اٹھانی ہوگی یا کسی عزیز ترین چیز کی قسم اٹھانی ہوگی، جیسے دعویٰ کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ
۱۰ کی قسم یا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی یا قران کریم کی قسم اٹھا سکتا ہے اگر دوسرا فریق ایسی قسم
۱۱ لینے کو تیار نہ ہو تو اس کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی قسم اس طرح اٹھا دے کہ اگر وہ سچا نہیں
۱۲ ہے تو اس کی اولاد تباہ و برباد ہو جائے تو اس شخص کو اپنی بات کو تسلیم کرانے کے لئے قسم دینا ہو
۱۳ گی۔
۱۴ (ب):۔ دو دوستوں میں سے ایک نے دوسرے سے قرض لیا لیکن تحریر نہ لکھی زبانی رقم
۱۵ لے لی۔ جب رقم دینے کا وعدہ یا وقت آیا تو مقروض نے انکار کر دیا کہ اس نے رقم لی ہے۔
۱۶ اس صورت میں دونوں سے قسم اٹھوائی جا سکتی ہے قرض دینے والے سے قسم اس لئے لی
۱۷ جائے گی کہ کیا واقعی اس نے قرض دیا تھا؟ اور مقروض سے بھی قسم لی جائے گی کہ واقعی اس
۱۸ نے قرض نہیں لیا تھا؟ جو قسم دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے
۱۹ کہ قسم اٹھانے کے لئے سخت اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تب قسم قابل قبول ہوتی ہے
۲۰ ۔
۲۱ (ت):۔ کوئی صاحب سیر و تفریح کے لئے دور دراز خطرناک علاقوں میں گھوم پھر کر آگئے تو

لوگوں کو ایسی خبر دی جو لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی اور باعث خطرہ بھی، لوگوں کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تو اس شخص سے قسم طلب کی جائے گی تا کہ نا قابل یقین بات پر یقین آجائے کہ درست ہے تا کہ وہ نقصان وخطرہ سے محفوظ ہو جائیں۔

ایسے مواقع پر صرف ایک قسم ہی کافی ہوتی ہے، لیکن سورہ والتین میں چار قسمیں یکے بعد دیگرے اٹھائی گئی ہیں ان قسموں کے اٹھانے والا فریق خالق کائنات ہے اور جن کو یقین دلایا جا رہا ہے، وہ مخلوق ہیں قسم اٹھانے والی ذات قادر مطلق جو چاہے کر سکتا ہے، اور جن کو یقین دلایا جا رہا ہے وہ عاجز محض ہیں ایسے حالات میں تو اللہ تعالیٰ کی ایک قسم بھی بہت بھاری تھی پھر وہ کونسے ایسے نا قابل یقین واقعات ہیں جن کی سچائی کے حق میں اللہ تعالیٰ چار قسمیں اٹھا رہا ہے، پہلی قسم انجیر کی دوسری قسم زیتون کی تیسری قسم طور سینین کی اور چوتھی قسم شہر امین مکہ معظمہ کی اٹھا رکھی ہے۔

جب مندرجہ بالا عبارت کے تناظر میں سورہ والتین پر تفکر کریں، تو معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی جستجو شعور پر سوار ہو جاتی ہے اور یہ جستجو دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سربستہ رازوں سے حجاب اٹھا دیتا ہے، تو وہ آہستہ آہستہ سامنے آتے رہتے ہیں، اور وہ باتیں اور واقعات جو بنی آدم کے شعور کے لئے نا قابل یقین ہیں جن کو عقل انسانی ہرگز سچا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اتنی قسمیں اٹھانے کے باوجود بھی انکاری ہے ایسے نا قابل یقین واقعات کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، ان میں سے چند ایک کو نیچے لکھا جاتا ہے جس کا ذکر درج ذیل سورتوں میں ہے جن کو ترتیب نزولی کے لحاظ سے مطالعہ کیا جائے تو معاملات نکھر کر سامنے آجاتے ہیں،

ترتیب نزولی کے لحاظ سے

1:۔سورہ والتین کا ۲۸واں شمار ہے اور

2:۔سورہ ص کا ۳۸واں شمار ہے

3:۔سورہ الحجر کا ۵۴واں شمار ہے

4:۔سورہ سجدہ کا ۵۷واں شمار ہے

5:۔سورہ بقرہ کا ۸۷شمار ہے

سورہ ص کی آیات (69تا 84)

(69):......مجھ کو تو (ان واقعات) کا علم نہ تھا عالم بالا میں (مقرب فرشتوں کی محفل میں جن کے ذریعہ نظام کائنات کی فناء و بقاء کی تدابیر کی جاتی ہے) فرشتے (انسان کی تخلیق کے متعلق) جھگڑ رہے تھے۔

(70):......مجھ کو تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہی وحی ہوئی ہے میں تو صریح طور پر تم کو عواقب (یعنی برے نتائج) سے ڈرانے والا ہوں (اللہ کا رسول ہوں) نذیر ہوں بشیر ہوں۔

(71):......(اے محبوب ان کو وہ واقع یاد دلایئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر (انسان) پیدا کرنے والا ہوں۔

(72):......پھر جب میں اس (کے ڈھانچے) کو ٹھیک (طور سے) تیار کروں اور اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

(73):......چنانچہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔

(74):......سوائے ابلیس کے اس نے غرور کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

(75):......اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روک دیا جس کو میں نے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو (بے جا) غرور میں آ گیا (واقعی اپنے زعم میں) تو درجہ میں عالی مرتبہ افراد سے تھا۔

(76):......وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا (اعلیٰ اسفل کو سجدہ نہیں کرتا اس لئے اس نے اس کو سجدہ نہیں کیا)۔

(77):......(جب شیطان نے آدم کی تعظیم نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکاری ہو گیا) تو اسے حکم دیا گیا تو یہاں سے نکل جا۔ تو راندھا (لعنت کیا) گیا۔

(78):......اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔

(79):......(شیطان) بولا (اچھا) اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دے کہ (مردے) اٹھائے جائیں (یعنی صور پھونکے جانے تک)

(80):......فرمایا (جا) تجھے مہلت دی گئی۔

(81):......(تجھے مہلت دے دی گئی) اس دن کے وقت تک جو معلوم ہے یعنی جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا اور مخلوق فنا کر دی جائیگی۔

(82):......(شیطان) بولا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔

(83):......سوائے ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے (جو تیری یاد میں محو ہیں)۔

(84):......ارشاد ہوا کہ سچ بات یہ ہے اور میں سچ بات کہتا ہوں (سورہ ص 38,37)

مندرجہ بالا سورہ ص ۳۸ کی ۱۶ آیات ۶۹ تا ۸۴ میں جن نا قابل یقین باتوں کا ذکر ہے ان کو لکھا جاتا ہے۔

1:۔آدم علیہ السلام کے بارے میں جب فرشتوں کے سامنے تجویز پیش کر کے پھر ان کی رائے کو طلب کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے حالات و واقعات کی خبر حضور ﷺ کو دی تو آپ ﷺ سے فرمایا عالم بالا میں آدم کی تخلیق پر فرشتے آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(کیا یہ بات قابل یقین ہے؟)

2:۔جب آدم علیہ السلام کے قالب کو اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح سنوار دیا، تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی (روح کو بھی عالم بالا میں ہی آدم علیہ السلام کے قالب میں پھونکا گیا)۔

(کیا یہ بات قابل یقین ہے؟)

3:۔حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے عالم بالا میں ہی سجدہ کیا۔
(کیا یہ بات قابل یقین ہے؟)

4:۔شیطان نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا (اس حال میں انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو تھا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھا اور فرشتوں کی پوری جماعت کے سامنے یہ حرکت کی تھی) اور یہ بھی عالم بالا میں واقع ہوا۔

5:۔جب شیطان نے آدم علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکاری ہوا، تو اس کو عالم بالا میں فرشتوں کی (assembly) سے نکال دیا گیا۔(اسمبلی بھی عالم بالا میں ہی تھی) (کیا یہ بات قابل یقین ہے؟)

6:۔اللہ جس سے اتنا زیادہ ناراض ہے کہ اسے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اس نے قیامت تک زندہ رہنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر اسے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت بخشی۔ (کیا یہ بات قابل یقین ہے؟)

7:۔شیطان نے طویل عمر اس لئے طلب کی تھی کہ جس آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے اس سے اس کے اختیارات سلب کر لئے گئے حکمرانی سے معزول کر دیا گیا پھر فرشتوں کی اسمبلی سے بھی نکال دیا گیا اس کو آدم علیہ السلام اور اولاد آدم سے عداوت ہو گئی تھی، اس لئے اس نے طویل عمر انتقام لینے کے لئے طلب کی تھی جو اسے مل گئی، اس کو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا گیا تھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کے دور تک تمام نبیوں کو دیکھا ہوا تھا، ان کے حالات سے آگاہ تھا وہ اس حال (پوزیشن) میں کہ

۱......وہ کئی ہزار سال کا تجربہ کار دشمن ہے۔

۲......وہ بنی آدم کی نظروں سے اوجھل ہے

۳......وہ بنی آدم کو ہر حال میں دیکھنے والا ہے۔

۴......اس میں عام انسان کی نسبت طاقت بھی زیادہ ہے اسکا علم اور تجربہ بھی زیادہ ہے ایسے حالات میں بنی آدم اس مردود کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟ ہماری جنگ اسی سے ہے، اسکا مقابلہ اللہ کی مدد کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟

(کیا یہ باتیں قابل یقین ہیں؟)

اوپر درج تمام نا قابل یقین باتیں (سورہ ص) میں درج ہیں، مزید نا قابلِ یقین باتیں سورہ الحجر 54 سے بیان کی جاتی ہیں۔

سورہ الحجر کی آیات 26 تا 29

وہ معلومات دی جاری ہیں جن کا علم ہر گز کسی انسان کو نہ تھا۔

26:۔ بے شک انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا، جس کو بجانے سے آواز آتی ہے۔

27:۔ انسان سے پہلی قوم جنات کو بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔

28:۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کہا کہ لوگوں کو یاد دلائیں جب تیرے رب نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک انسان بناؤں گا۔

29:۔ پھر جب اسے پوری طرح سنوار لوں گا، تو اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دونگا (تو وہ جی اٹھے گا)۔ تو اے فرشتو! تم سب اس کو سجدہ کرنا۔

شیطان نے معافی طلب کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے روبرو کہا کہ تو نے مجھے عالم بالا میں بہکایا لہذا میں بھی بنی آدم کو عالم زیریں یعنی کرہ ارض پر بہکاؤں گا اور آدم علیہ السلام و حواء سلام اللہ علیہا کو جنت میں۔

سورہ الحجر ترتیب نزولی 54 ترجمہ فیوض القران)

(کیا اوپر درج باتیں قابل یقین ہیں؟)۔

سورہ البقرہ کی آیات 30 تا 36

30:۔اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے عرض کیا (اے پروردگار)

کیا تو زمین میں ایک ایسے کو (نائب) بنائے گا، جو شر و فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور کمال پاکیزگی کو بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

31:۔اور اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام آدم علیہ السلام کو سکھا دیئے پھر ان ہی چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھ کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو (کہ مستحق خلافت تم ہو آدم نہیں)

32:۔انہوں نے عرض کیا ''تیری ذات پاک ہے ہم کو علم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا بیشک تو ہی (اصل) جاننے والا حکمت والا ہے'' (تو ہی آدم علیہ السلام کی استعداد، سر خلافت کو جانتا ہے تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں)۔

33:۔فرمایا اے آدم! اب تم انہیں ان (چیزوں) کے نام بتلاؤ، پھر جب اس نے (آدم علیہ السلام نے) فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے (تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں آسمان و زمین کی سب پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور (وہ بھی) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (یہاں تکتمون فرما کر متنبہ کر دیا کہ دل میں بات نہ چھپاؤ اور اصل شیطان کو ہی متنبہ کرنا منظور تھا جو دل میں خطرہ لئے بیٹھا تھا یہ اللہ کا کرم اور اس کی رحمت تھی، لیکن بدبخت نے اس تنبیہہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور وقت امتحان آ گیا۔) اور دھتکار دیا گیا۔

34:۔اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (سجدہ تعظیمی بجالاؤ) تو (سب) سجدے میں گر گئے، سوائے شیطان کے، اس نے انکار کیا اور اپنے کو (اپنی ذات کو) بڑا

سمجھا اور (وہ) تھا (ہی) کافروں میں سے (اللہ تعالیٰ دل کے حالات سے واقف ہے) ١
شیطان کی عبادات کی غرض سے واقف تھا، (معلوم ہوا جو غرض سے عبادت کرے اور غرض ٢
کے پورا نہ ہونے پر ترک کردے وہ شیطان ہے) جو بہرحال عبادت کرے (وہ آدم ہے)۔ ٣
35:۔اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں جو چاہو ٤
(اور) جہاں کہیں سے چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ٥
ہو جاؤ گے۔ ٦
سورہ بقرہ کا شمار 87واں ہے، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بعثت کے 14ویں سال ٧
نازل ہوئی تھی۔ ٨
سورہ بقرہ کی آیات 30 اور 31 میں جن میں نا قابل یقین باتوں کا ذکر ہے وہ درج ذیل ٩
ہیں۔ ١٠
1:۔اس انسان کو خلیفہ بنانے والا ہے جو کھنکھناتی مٹی سے بنایا گیا ہے اس کے قالب کے ١١
اجزائے ترکیبی زمین سے لئے جائیں گے جو کائنات کا سب سے نچلا طبق ہے یا سب سے ١٢
نچلا کنارہ ہے یا کائنات کا پیندا ہے اسے عالم بالا میں لاکر اس کی تخلیق کے تمام مرحلوں کو ١٣
مکمل کیا جائے گا پھر اس کو نائب (خلیفہ) بنایا جائے گا، پھر اسکو کرہ ارض پر واپس کر دیا ١٤
جائیگا۔ ١٥
ان تمام باتوں پر فرشتوں کی مجلس میں جھگڑا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کو اس قدر اہمیت ١٦
کیوں دی جا رہی ہے، ان کے وجود میں کیا حسن وخوبی ہے کہ اسے اتنا نوازا جا رہا ہے، کہ وہ ١٧
عالم بالا میں خلافت کے اعزاز سے سرفراز کیا جائیگا۔ ١٨
اس معاملہ پر فرشتے اور شیطان نہ معلوم کتنا عرصہ جھگڑتے رہے بحث ومباحثہ کرنے کے ١٩
بعد بارگاہ خداوندی میں اپنی متفقہ رائے کو پیش کیا جس کو باری تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا۔ ٢٠
یہ بات کتنی حیران کن ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا چرچا عالم بالا میں ہر طرف ہو رہا تھا ٢١

اور کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا، نائب خداوندی کی اہمیت اور حیثیت پر آخر میں تفصیل درج ہوگی۔ ۱
(کیا یہ قابل یقین ہیں؟) ۲

2:۔آیات نمبر 33,34,35 میں نا قابل یقین باتیں یہ ہیں۔ ۳

آیت 33:۔میں آدم علیہ السلام نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے جن کو فرشتوں کے ۴
روبرو رکھا تھا، مگر وہ تمام نام فرشتے نہ بتا سکے۔ ۵

حضرت آدم علیہ السلام کا چیزوں کے نام بتا دینا عالم بالا کا واقعہ ہے عالم زیریں کا واقعہ نہیں ۶
اس لئے کہ فرشتوں کی محفل عالم بالا میں منعقد ہوئی تھی۔ ۷

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شیطان اور فرشتوں سے بلاواسطہ اور بے حجاب ۸
گفتگو کی تھی۔ (کیا یہ قابل یقین باتیں ہیں) ۹

آیت 34:۔میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور شیطان نے سجدہ کرنے ۱۰
سے انکار کر دیا، پھر اس کو سزائیں دی گئیں ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ۱۱

آیت 35:۔حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حواء سلام اللہ علیہا دونوں کو بغیر ۱۲
کسی نیک اور صالح کام کرنے کے جنت میں داخل کر دیا گیا، جنت وہ ابدی رہائشگاہ ہے ۱۳
جس کی وسعت ارض و سماء کی وسعت کے برابر ہے، آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت کی ۱۴
چھت عرش عظیم ہے۔ ۱۵

یہ تمام باتیں کیا انسانوں کے لئے قابل یقین ہیں ہرگز نہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کی سچائی کے ۱۶
لئے کیوں نہ چار قسمیں اٹھاتا۔ ۱۷

مندرجہ بالا تین سورتوں میں جو نا قابل یقین باتیں بیان ہو چکی ان کے علاوہ ان سورتوں ۱۸
کے مضامین سے بطور استنباط چند نا قابل یقین باتیں بیان کی جاتی ہیں اور ایسی نا قابل ۱۹
یقین ہیں کہ انسان انکار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے وہ اس لئے کہ وہ عام انسانی شعور سے ۲۰
بہت وراء ہیں بلند ہیں ان کے بیان کرنے سے پہلے تمہیداً چند سطور لکھی جاتی ہیں۔ ۲۱

اس بات کو پھر دہرایا جاتا ہے کہ مکی سورتیں اجمال ہیں اور مدنی سورتیں ان کی تفصیل ہیں اوران میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی ہے:

1:۔سورہ والتین کا ترتیب نزولی کے لحاظ 28 شمار ہے بعثت کے پانچویں سال میں نازل ہوئی۔(مکی)

2:سورہ ص کا ترتیب نزولی کے لحاظ 38 شمار ہے بعثت کے پانچویں سال میں نازل ہوئی۔(مکی)

3:۔سورہ الحجر کا ترتیب نزولی کے لحاظ 54 شمار ہے بعثت کے 10 ویں میں نازل ہوئی۔(مکی)

4:۔سورہ بقرہ کا ترتیب نزولی کے لحاظ 87 شمار ہے بعثت کے 14 ویں سال میں نازل ہوئی۔(مدنی)

پہلی تین سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں جن کے نزول کے اوقات اندازاً درج کر دیے گئے ہیں ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر لفظ انسان کے ساتھ کیا گیا ہے مگر مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں مکی دور میں حضرت آدم علیہ والسلام کا نام نہیں ظاہر کیا گیا، مدنی دور میں بعث کے 14 ویں سال حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر انسان کی بجائے ان کے نام (آدم) کے ساتھ کیا گیا۔کم وبیش 9 سال کا عرصہ آدم علیہ السلام کے نام کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مکی دور میں ان کے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام نہیں ہے صرف سورہ بقرہ میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے، جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

قران کریم میں خلیفہ کا لفظ دوبار استعمال ہوا ہے پہلی بار حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے (سورہ ص 38 آیت 26 میں ہے) مگر یہاں خلیفہ کے ساتھ ایک تخصیص ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ اس لئے بنایا گیا کہ لوگوں کے درمیان انصاف پر مبنی فیصلے کیا کریں،

سورہ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ مطلق بنایا گیا لہذا دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

1:۔حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عالم بالا میں دی گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو بطور وراثت منتقل ہوئی، اور کرہ ارض پر دی گئی جو عالم زیریں ہے۔

2:۔حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت دینے کے بعد ان کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

3:۔وہ تمام باتیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں نا قابل یقین ہیں ان میں سے بعض جو سامنے آئی ہیں وہ صرف آدم علیہ السلام کے لئے مخصوص ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے نہیں ہیں۔

4:۔خلیفہ کس کو کہا جاتا ہے خلیفہ کی تعریف سید حامد حسن بلگرامی مترجم فیوض القران یوں بیان کرتے ہیں۔

خلیفہ

نائب، قائم مقام، احکام کے اجراء، اور دیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے اسے شانِ حکومت عطا ہوتی ہے، اور باطنی قوتوں سے نوازا جاتا ہے وہ متصل بملائک، مشتمل، بہ خلائق ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم روحانی اور عالم جسمانی کا مجموعہ بنایا (ترجمہ: فیوض القران اور بقرہ کی آیت 30 کے حاشیہ میں دیکھیں)

حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں جو کائنات کے وجود سے براہ راست یعنی بغیر والدین کے پیدا کیے گئے اور اس وقت پیدا کیے گئے جب کارخانہ کائنات کی تکمیل آخری مرحلہ پر تھی جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود مکمل ہو گیا تو کائنات کا وجود بھی مکمل ہو گیا۔

چونکہ کارخانہ کائنات ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا تھا، اس لئے کارخانہء کائنات کو رواں دواں رکھنے کے لئے جس ایڈمنسٹریٹر (حکمران) کی ضرورت تھی وہ حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے،

کارخانہ کائنات کا عبوری حکمران ابلیس تھا، جب اس نے بارضا رغبت اختیارات حضرت آدم علیہ السلام کے حوالہ کرنے سے انکار کردیا، تو اسے معزول کر کے عالم بالا کی حکمرانی سے نکال دیا گیا پہلے فرشتے اس کے تابع فرمان تھے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے تابع فرماں بنا دیئے گئے، تاکہ وہ عالم بالا میں فرشتوں سے اور عالم زیریں میں بنی آدم سے ملک کائنات کی آبادکاری کے لئے خدمات حاصل کرتے رہیں۔

حضورﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے کم وبیش 12000 سال بعد فرمایا، میرے دو وزیر آسمانوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں اور دو وزیر عالم دنیا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر خطابؓ ہیں۔

غالباً اسی حکمرانی کا تسلسل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے بارے میں خلیفہ کی تعریف میں بیان ہونیوالے کمالات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا وجود تمام موجودات کا نمونہ ہے۔ یہ بات جاننے کے لئے موجودات کا علم ہونا لازم ہے، کہ موجودات میں کیا کیا شامل ہے۔

امام ربانی مجدالف ثانی قیوم زمانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے، موجودات تین درجات پر ہیں

1:۔ مخلوق یعنی کائنات وغیرہ۔

2:۔ غیر مخلوق موجودات سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ہیں۔ جو کائنات (یعنی مخلوق جس دائرہ میں سمائی ہوئی ہے اس دائرہ) کے باہر غیر مخلوق موجودات کے جہاں ہیں۔

3:۔ خالق کائنات کے موجود ہونے سے مراد یہ ہے کہ جتنے دائرے غیر مخلوق کے جہانوں کے ہیں ان سے باہر اور ان سے وراء خالق کائنات کا حرم ناز ہے۔

(مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم اور جہاں امام ربانی ص 1546 جلد دوم)

مندرجہ بالا تمام موجودات کا نمونہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہے۔
جس طرح ان کا وجود نمونہ موجودات ہے اسی طرح وہ خلاصہ موجودات بھی ہے، اگر انسان کے وجود کو بیلون یا غبارہ کی طرح ہوا سے بھرا جائے تو اس کا وجود اتنا وسیع وعریض ہو جاتا ہے، کہ کائنات اس کے قالب میں سما سکتی ہے۔
(مؤلف حبیبی ماخوذ حضور ﷺ بحیثیت وزیر اعظم کائنات)
کارخانہ کائنات کے حجم کے مقابل حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے حجم کی کیا حیثیت ہے؟ جس طرح موجودات تین درجات پر مشتمل ہیں اس طرح کائنات تین دائروں پر مشتمل ہے جن کے نام یہ ہیں۔
1:۔ دائرہ اول جسے عالم ارواح کہا جاتا ہے، اہل تصوف اس کو عالم انفس کے نام سے تعبیر فرماتے ہیں۔
2:۔ دائرہ دوم جسے عالم اجسام کہا جاتا ہے، اہل تصوف اسے عالم آفاق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔
3:۔ دائرہ سوم جسے عالم آخرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اہل تصوف عالم جزا و سزا کے نام سے پکارتے ہیں چونکہ جزا اور سزا کا انسان مشاہدہ کر لیتا ہے کہ اس کو انعام کیا ملنے والا ہے یا اسے کیسی سزا ملنے والی ہے، لہٰذا عالم آخرت عالم مشاہدہ ہے اور مشاہدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔

<u>وضاحت</u>

عالم اجسام (آفاق) جس کا مرکزی مقام عرش ہے اس پر ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے، اور عالم ارواح میں ایک دن ہمارے 50 ہزار سال کے برابر ہے یعنی دن بھی تین طرح کے ہیں۔ (قرآن)

۱۔ چوبیس گھنٹے کا دن عالم دنیا کا ایک دن ہے۔

2:۔ ہمارے ایک ہزار سال کے برابر عالم اجسام کا ایک دن ہے۔ ۱

3:۔ ہمارے 50 ہزار سال کے برابر عالم ارواح کا ایک دن ہے یہی طوالت عالم آخرت ۲

کے ایک دن کی ہے۔ (سفرِ تخلیق ص 44) ۳

مندرجہ بالا عبارت میں موجودات کے درجات اور کائنات کے دائرے اور کائنات ۴

میں پائے جانے والے دنوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے، کہ اس عبارت کی روشنی میں حضرت ۵

آدم علیہ السلام کے وجود کے حجم کا تخمینہ و اندازہ کیا جا سکے، اور اس مقصد کے حصول کیلئے ۶

تفسیر ضیاء القرآن سے استفادہ کیا گیا ہے، جو یوں ہے: ۷

<u>انسان نا قابل تذکرہ سے قابل تذکرہ کیسے بن گیا</u> ۸

1:۔ حضرت کرم شاہ صاحبؒ نے سورہ نجم کی تفسیر کے دوران انگریز سائنسدان برٹینڈ رسل ۹

کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کائنات (جس سے مراد عالم آفاق ہے) کی طوالت اتنی زیادہ ہے ۱۰

کہ اگر روشنی کی رفتار جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اسی رفتار سے کوئی شے تین ۱۱

ارب سال تک سفر کرتی رہے تو وہ شے کائنات کے ایک کونا سے دوسرے کونا تک پہنچ سکتی ۱۲

ہے۔ ۱۳

انگریز سائنسدان کے کلیہ کے مطابق کائنات کا حجم جو بیان کیا گیا ہے اس کے مقابل کرہ ۱۴

ارض کا وجود اتنا چھوٹا ہے جیسے سمندر کے کنارے پڑا ہوا ریت کا کوئی ذرہ وہ اسطرح کہ ۱۵

روشنی کی لہریں جو T.V (ٹیلی ویژن) پر عکوس کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ ان کی رفتار ۱۶

ایک محتاط اندازہ کے مطابق پوری دنیا کے گرد ایک سیکنڈ میں 45 سے 50 چکر لگا لیتی ہیں۔ ۱۷

یعنی زمین کا حجم کائنات کے دائرہ دوم کے حجم کے مقابلہ میں اتنا زیادہ کم ہے کہ ریت کے ۱۸

ایک ذرہ کے برابر ہو تو بھی غنیمت ہے۔ جب کائنات اور زمین کے حجم کے تناظر میں عام ۱۹

انسان کے وجود کا تصور کیا جاتا ہے، تو انسان کے وجود کی حیثیت نا قابل ذکر ہے۔ غالباً اللہ ۲۰

تعالیٰ نے اسی بنیاد پر فرمایا کہ ''انسان نا قابل تذکرہ تھا'' اس کا دوسرا جملہ یوں ہوگا۔ ۲۱

ہم نے ناقابل تذکرہ انسان کو قابل تذکرہ بنا دیا۔
انسان قابل تذکرہ کیسے ہو گیا یہاں ہوش و حواس جواب دے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے تو وہ کیسے قادر مطلق ہے، اسی موقعہ پر اس کی قدرت کا مظاہرہ دیکھ کر زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے، بے شک قادر مطلق ہے، جس نے ناقابل تذکرہ وجود کو اپنا خلیفہ بنا کر پوری کائنات پر حکمران بنا دیا، اور یہ بات صرف آدم علیہ السلام تک ہی محدود نہ رہی، یہ نعمت بطور وراثت اولاد آدم میں منتقل ہوتی رہتی ہے ہر زمانہ میں ایک فرد حضرت آدم علیہ السلام کا نائب ہوتا ہے، جو پوری نوع انسان کی طرف سے نمائندہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ کا نائب ہوتا ہے، امت محمد ﷺ میں خلیفہ کا نائب قیوم زمانہ ہوتا ہے، اور شیطان کا مقابلہ کرنے کے لئے موجود ہوتا ہے، جب تک شیطان حزب اختلاف کا لیڈر ہے اس وقت تک حزب اقتدار کا لیڈر (ایک فرد) عالم دنیا میں موجود رہے گا۔

عرش عظیم اور حضرت آدم علیہ السلام کا باہمی تعلق

مندرجہ بالا عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کو کارخانہ کائنات کے تکوینی امور کا سربراہ ہونے کے باعث ان کی جو حیثیت اور اہمیت ہے واضح ہو چکی ہے، چونکہ امور تکونیہ کی تدبیر عرش عظیم پر کی جاتی ہے، اس لئے تکوینی امور کا سربراہ عرش پر ہوگا، امور تکوینیہ کی تدبیر کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے۔

القرآن

اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں بنایا (یعنی آسمانوں اور زمینوں کو بتدریج چھ ادوار میں پیدا کیا) پھر اپنے عرش عظیم (تخت حکومت) پر (یوں قیام فرمایا، جو اس کی شان کے لائق ہے) اس کے علاوہ کوئی دوست بھی خواہ حمایتی اور سفارش کرنے والا نہیں پھر بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے اپنے محبت کرنے والے رب کی حمایت، عنایت اور رحم کا دامن کیوں چھوڑتے ہو کیا تم کو اتنی بھی

سمجھ نہیں۔

2:۔ وہی آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے (ہر شے اس کے امر کے تابع ہے) پھر اس کے پاس پہنچ جائے گا، ایک ایسے دن میں جو تمہارے دنوں کے مطابق ایک ہزار سال کا ہوگا۔

(سورہ سجدہ 32 آیات نمبر 4,5 ترجمہ فیوض القران)

مندرجہ بالا دو آیات میں سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر کرنے والا یعنی اوپر سے نیچے تک آسمانوں اور زمینوں کو بنانے والا ہے وہ نیچے سے اوپر کی جانب عروج کرتا ہوا عرش پر قیام فرما ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کے امور کی تدبیر کرنے والی ہستی عرش پر قیام فرما ہے، یہ بات اس وقت کہی گئی تھی جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت کے منصب پر فائز ہونا باقی تھا، اسلیئے حضرت آدم علیہ السلام کا عرش پر ہونا مترشح ہوتا ہے، لہٰذا یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ امور تکونیہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد کئے گئے تھے، اس وقت حضرت آدم علیہ السلام عرش عظیم پر موجود تھے۔

نوٹ:۔ سورۃ سجدہ کا ترتیب نزولی کے لحاظ سے 75 واں شمار ہے اور یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے نام کا اعلان نہ کیا گیا تھا، اس سورہ کے نزول کا وقت ہجرت سے قبل کے قریب کا ہے اندازاً بعثت کے دسویں سال نازل ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت اور آپ علیہ السلام کے نام کی خبر سورہ بقرہ میں دی گئی جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے، سورہ بقرہ کے نزول کا وقت بعثت کا اندازاً 14 واں سال ہے سورہ سجدہ کے چار سال بعد مدینہ منورہ میں نازل کی گئی ہے، یہ شواہد اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کا نام تجویز کیا گیا، اور خلافت دی گئی وہ مقام عرش عظیم ہے، (ناقابل یقین باتوں کا مرحلہ تمام ہوا)

۱ سورہ والتین کے آغاز میں جن چیزوں کی قسمیں اٹھارکھی ہیں ان چیزوں کی قسمیں اٹھانے
۲ کی وجوہات اور پوشیدہ حکمتیں ہیں ان کو تلاش کرنے کے لئے انسانی تاریخ کو سامنے رکھنا
۳ ہوگا۔

۴ چونکہ والتین کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہے، اور دوسری طرف اس کا تعلق
۵ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت سے ہے، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم
۶ ﷺ کے زمانہ ہجرت تک کی تاریخ کے دورانیہ میں پیش آنے والے حالات واقعات کے
۷ تناظر میں، شجرِ انجیر، شجرِ زیتون اور پہاڑ (طور سینین) اور شہر امین (مکہ معظمہ) کے حقائق پر
۸ تفکر کرنا ہوگا۔

۹ حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی مبارک کے دو دور ہیں۔ پہلا دور تخلیق کا ہے، جو عالم بالا
۱۰ میں مکمل ہو گیا تھا، دوسرا دور کرہ ارض پر گزارا گیا تھا۔

۱۱ 1:۔ شجرِ انجیر:۔ شجرِ انجیر کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام کی عالم بالا کی زندگی سے ہے، وہ اس
۱۲ طرح کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو ستر ڈھانپنے کی ضرورت
۱۳ پیش آئی تو انجیر کے درخت نے اپنے پتے ان دونوں میاں بیوی کے حضور بطور نذرانہ پیش
۱۴ کئے تھے لہٰذا شجرِ انجیر کو یہ بہت بڑا شرف حاصل ہے، جس کا تعلق جنت سے ہے، جو ارض
۱۵ وسماء سے باہر ہے۔

۱۶ 2:۔ شجرِ زیتون:۔ عین ممکن ہے کہ زیتون کا تعلق بھی عالم بالا سے ہو مگر "سورۃ نور" میں
۱۷ زیتون کو "لاشرقیہ" "لاغربیہ" قرار دیا گیا ہے، جس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔
۱۸ ا:۔ شجرِ زیتون نہ شرقی اور نہ غربی ہے بلکہ وہ خود مرکز ہے جہاں سے تمام سمتیں جاری اور شمار
۱۹ کی جاتی ہیں۔

۲۰ جب اس نقطہ نگاہ سے زیتون کو دیکھا جاتا ہے تو زیتون کا درخت کرہ ارضی (عالم زیریں)
۲۱ سے متعلق ہے، وہ اس لئے کہ مکہ معظمہ جسے امین کے نام سے پکارا گیا ہے، یہ شہر کرہ ارض کی

ناف ہے اور کرہ ارض کا مرکزی مقام ہے جس سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی سمتیں شمار کی جاتیں ہیں۔

چونکہ شجر زیتون اور شہر مکہ دونوں ایک ہی صفت کے حامل ہیں لہذا شجر زیتون مکہ معظمہ کی طرح کرہ ارضی یعنی عالم زیریں کا فرد ہے اور شجر زیتون شہر امین سے منسوب ہے۔

جب اس تناظر میں شجر انجیر کو دیکھا جاتا ہے، تو اس کی نسبت پہاڑ (طور سینین) سے منسوب ہوتی ہے، چونکہ شجر انجیر کی نسبت طور سینین سے اور طور سینین کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے، لہذا شجر انجیر کی نسبت بالواسطہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے، جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شجر انجیر کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے تو پھر زیتون کی نسبت شہر امین سے ہے، اور شہر امین کی نسبت رسالت مآب ﷺ سے ہے، لہذا شجر زیتون کی نسبت بالواسطہ حضور اکرم ﷺ سے ہے۔

استنباط

شجر انجیر اور طور سینین کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے، اور شجر زیتون اور مکہ معظمہ کی نسبت حضور اکرم ﷺ سے ہے۔

☆......☆......☆

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی کرہ ارض یعنی عالم زیریں کی زندگی کا مختصر ساخاکہ

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بتدریج کرہ ارض پر پھیلتی چلی گئی اور مختلف دور سے گذرتی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں داخل ہوئی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کرہ ارض کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بحر قلزم کے مشرق میں واقع حصہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور دوسرا بحرہ قلزم کا مغربی حصہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو دے دیا، اس طرح کرہ ارض کو دو بھائیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۱:......حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، ان کے حصہ میں سمندر کا مغربی حصہ ہے جس میں فلسطین، شام، مصر کے علاقے شامل ہیں۔

۲:......بحر قلزم کے مشرق میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد آباد ہیں، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی کے علاوہ مشرق میں آباد لوگ بنی اسماعیل کے ساتھ ہیں۔

بنی اسرائیل کا قبلہ (مسجد اقصیٰ) ''بیت المقدس'' تھا اور بنی اسماعیل کا قبلہ (مسجد حرام) یعنی ''بیت اللہ'' ہے۔

بنی اسرائیل جو بحر قلزم کے مغرب میں آباد تھے اور ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم و بیش ایک لاکھ پیغمبر مبعوث ہوئے، اس طرح ان میں یکے بعد دیگرے پیغمبر تازہ بہ تازہ تعلیم لاتے رہے، لیکن بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد مدت دراز تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، حتیٰ کہ رسالت مآب ﷺ تشریف لائے، غالباً یہی باعث تھا کہ اہل مغرب اہل مشرق کو ''امی'' ہونے کا طعنہ دیا کرتے تھے، لفظ ''امی'' جو اہل مغرب بطور طعنہ استعمال کرتے تھے، اسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے لئے ایک منفرد اعزاز قرار دے کر حضور اکرم ﷺ کو ''امی'' اور آپ ﷺ کے شیداؤں اور پیروکاروں کو ''امیون'' پکارا ہے۔

انجیر اور طور سینین کرہ ارض کے اس حصہ سے ہیں جو بنی اسرائیل کے حصہ میں تھا اور زیتون اور شہر امین کا تعلق کرہ ارضی کے اس حصہ سے ہے، جو بنی اسماعیل کے حصہ میں آیا تھا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خانہ کعبہ کے مقام پر آباد کیا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل سے حضور اکرم ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت تک شہر امین میں قیام فرمایا، اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ کے ہجرت کے دن تک کی زندگی مکہ معظمہ کی گود میں گزری اور آپ ﷺ کا وجود مبارک جو اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں سفر کرتا رہا، اور آب زم زم سے پرورش پاتا رہا، گویا شہر امین کی گود میں محبوب ﷺ بطور امانت پرورش پاتے رہے، جب ہجرت فرمائی تو آپ اپنے اصل مقام مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، مکہ معظمہ جس نے اپنی گود میں حضور ﷺ کو بطور امانت صدیوں سے رکھا تھا اس گود نے ان کو ان کے اصل وطن مدینہ منورہ واپس لوٹا دیا تھا۔

مندرجہ بالا عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کی ہجرت کے دن تک جو تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے وہ سورۃ والتین کی تحقیق کے ضمن میں ہے۔ اس عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ تک تمام انبیاء کا ذکر ہے۔ یہ پورا دور انبیاء کرام کا دور ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے انبیاء کے مراتب کے لحاظ سے درج ذیل گروہ تحریر فرمائے ہیں، اور ہر ایک گروہ کے سپرد جو امور کائنات ہیں ان کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔

اس آیت کے معنی فمنهم ظالم لنفسه اور اس آیت کے معنی میں انا عرضنا الامانة الآية اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں، اور یہ اپنے نفس کے لئے مظالم ہے اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کرتے ہیں اور سابق الخیرات کو محبّ اور محبوب سے کہ جن کے سردار حضرت محمد رسول ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد. ومنهم سابق بالخيرات باذن الله

(سورۃ فاطر پارہ ۲۲/۱۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا، جن کو ہم نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا، پھر کچھ تو ان سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور کچھ میانہ رو ہیں، اور کچھ خدا کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا۔ (سورہ احزاب پارہ من یقنت ۱۲)

ترجمہ:۔ یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

دونوں آیتوں کی مراد وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہے، اور ہم اپنی معلومات کے مطابق ان کا مطلب بیان کرتے ہیں، اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں، تو ہم پر مواخذہ نہ فرما، جاننا چاہیے، ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ خداوند تعالیٰ صورت سے پاک اور بلند ہے، پس آدم کی خدا تعالیٰ کی صورت پر پیدائش کا یہی معنی ہو سکتا ہے، کہ اگر مرتبہ تنزیہ کے لئے عالم مثال میں کوئی صورت فرض کر لی جائے، تو وہ یہی صورت جامع ہوگی، کہ انسان اس صورت جامع پر موجود ہوا ہے، دوسری کسی صورت کو اس کی قابلیت نہیں ہے، کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے، اور اس کا آئینہ بن سکے یہی وجہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا، کیونکہ خلیفہ اس شے کا جانشین ہے اور اس شے کے قائم مقام ہے اور جب انسان رحمٰن کا خلیفہ ہوا، تو لازمی طور پر بار امانت کے اٹھانے کے لئے متعین ہوا، "بادشاہوں کے انعامات کو اسی کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔"

آسمان و زمین اور پہاڑ وہ جامعیت کہاں سے لائیں، کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں، اور اس کی خلافت کے حقدار ٹھہریں اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھائیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ اگر بالفرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ کر دیتے، تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے، اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا اور وہ امانت اس حقیر کے خیال کے مطابق نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے، جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں، اور تمام مخلوق کو وجود اور بقاء اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیض اس کے واسطہ سے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو اسی سے متصل ہے، اگر انسان و جن ہیں، تو اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، اور حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی جانب ہے، اور تمام اسی کو دیکھنے والے ہیں، اسی معنی کو سمجھیں یا نہ، فرمایا ہے۔

"انہ کان ظلوما جھولا"

یعنی اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے توابع میں سے کوئی ۱
بھی اثر اور حکم نہیں رکھتا، اور جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرے، امانت کا بوجھ اٹھانے ۲
کے قابل نہیں ہوتا، جھــــــولا بہت زیادہ جہالت والا اتنا کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی ۳
ادراک اور علم نہیں ہوتا، بلکہ ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہوتا ہے، اور یہ عجز ۴
و جہل اس کمال کے مقام میں معرفت ہے، کیونکہ یہاں جو سب سے زیادہ جاہل ہے، وہ ۵
سب سے بڑا عارف ہے اور اس میں تو شک نہیں، کہ جو سب سے بڑا عارف ہو، وہی امانت ۶
اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے، یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔ ۷
یہ عارف قیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا ہے، یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے، کہ مخلوقات کی ۸
مہمات اس کی طرف راجع ہیں، یہ صحیح ہے کہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں، لیکن انکی ۹
وصولی وزیر کی توسط سے وابستہ ہے، اس دولت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ۱۰
ہیں، اور یہ بلند منصب اصل میں تو انبیاء اولوالعزم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان ۱۱
بزرگواروں کی تبعیت اور وراثت میں جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف کریں۔ ۱۲
با کریماں کارہا دشوار نیست (سخی لوگوں پر بہت سے کام مشکل نہیں ہوتے) ۱۳
اور وارثان کتاب میں سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، پہلی جماعت یہی اپنی ۱۴
جان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزات و قیومیت کے منصب سے مشرف ہوئی ہے۔ ۱۵
اور ان برگزیدہ لوگوں سے دوسری جماعت جس کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے، یہ وہ لوگ ہیں ۱۶
جو خلت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اور صاحب سر اور اہل مشورہ ہیں، اگرچہ ۱۷
بادشاہت کے کاروبار اور معاملہ کا تعلق وزیر سے وابستہ ہے، لیکن خلیل ہم نشین ہے، اور ۱۸
صاحب انس والفت ہے، یہ اپنی خوشی کے لیے ہے، اور وہ (وزیر) دوسروں کی مہمات کے ۱۹
لئے ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے، اور اس بلند مقام کے سردار حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن ۲۰
علیہ السلام ہیں، اور ان کے بعد جس کو بھی اس بلند مقام سے مشرف کردیں۔ ۲۱

اور خلت کے مقام سے بالاتر محبت کا مقام ہے، کہ وہ تیسری جماعت سابق بالخیرات ہیں، جو اس مقام عالی پر مشرف ہوئے ہیں، مددگار اور ہم نشین اور ہے، اور دوست اور محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو کہ محبّ اور محبوب کے درمیان گزرتے ہیں، یار و ندیم کو اس جگہ کیا دخل ہے؟ ہر چند انس و الفت کے کمال کے وقت محبت کے مخفی اسرار کو خلیل جلیل القدر سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کو محبّ اور محبوب نہیں بنایا جاسکتا، محبوں کے حلقہ کے سردار کلیم اللہ علیہ السلام ہیں اور محبوبوں کی جماعت کے سردار حضرت خاتم الرسل ﷺ ہیں، اور ان صاحب دولتوں کی تبعیت و وراثت میں جس کو بھی ان دو مقامات سے مشرف کریں، یہ دونوں مناصب امور تخلیقیہ کے رموز و اسرار ہیں۔

اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اوپر ہیں، ان کو بھی اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں لکھا ہے اور اس جگہ بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ سب مقام سابقین میں داخل ہیں، جو کہ وارثان کتاب میں سے تیسرے فرقہ کا حصہ ہے، اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، اور ہمارے معاملہ میں بھلائی مہیا کر۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ (مکتوب 74 دفتر دوم صفحہ 1189/94)

۱ خلاصہ

۲ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اوپر مکتوب میں جن پانچ مناصب کے پانچ
۳ گروہوں کا ذکر کیا ہے، وہ تمام مناصب با اختیار ہیں اور ہر ایک کے اختیارات جدا جدا ہیں
۴ ان مناسب کی ترتیب یوں ہے:۔
۵ ا...... ظالم لنفسہ ۲...... مقتصد ۳...... سابق الخیرات
۶ (محبین) ۴...... محبوبین

۷ وضاحت

۸ پہلا گروہ: اس گروہ کے سردار حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو منصب خلافت پر
۹ فائز ہیں، جس کا نائب قیوم ہوتا ہے۔
۱۰ دوسرا گروہ: اس گروہ کے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، جو منصب خلت
۱۱ پر فائز ہیں۔ معاون ومشیر کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کا نائب امام ہوتا ہے۔
۱۲ تیسرا گروہ: اس گروہ کے سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، جو محبین کے گروہ
۱۳ کے سردار ہیں۔
۱۴ چوتھا گروہ: اس گروہ کے سردار رسالت مآب خاتم المرسلین ﷺ ہیں، تیسرے اور چوتھے
۱۵ گروہ کے اختیارات اور ذمہ داریاں بیان نہیں کی گئیں اگلے صفحات پر بیان ہوں
۱۶ گی، تیسرے اور چوتھے گروہ کے سپرد کائنات کی تخلیق کے امور ہیں۔
۱۷ درج بالا مکتوب کی روشنی میں دیکھا جائے تو صورت حال یوں واضح ہوتی ہے۔ شجر انجیر اور
۱۸ طور سینین کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ان کا علاقہ سمندر کا مغربی علاقہ ہے۔
۱۹ لہٰذا دونوں محبت کا نشان ہیں جبکہ شجر زیتون اور شہر امین چونکہ حضور اکرم ﷺ سے نسبت
۲۰ رکھتے ہیں اور سمندر سے مشرق میں واقعہ ہیں، یہ دونوں محبوبیت کا نشان ہیں۔
۲۱ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل چاروں چیزوں کی قسمیں حضرت آدم علیہ السلام کی انوکھی شان

بیان کرنے کے لیے اٹھارکھی ہیں۔

پہلے اشکال کا حل

شجر انجیر:۔ یہ درخت بھی دیگر چیزوں کی طرح دو رخوں کا جامع ہے ایک ظاہری رخ اور دوسرا باطنی رخ

(الف):۔ ظاہری رخ میں انجیر میں جو طبی لحاظ سے خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان خوبیوں کا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کے فوائد انسانی جسم کے لئے کیا کیا ہیں، ان کو بیان کرنے کی اس جگہ گنجائش نہیں۔

(ب):۔ باطنی رخ میں انجیر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت رکھتی ہے، جو محبت کرنے والے گروہ کے سردار ہیں لہذا حقیقت موسوی کے فیضان یعنی محبت الٰہی کے حصول کیلئے انجیر وہ جوہر ہے، جو محبت ذات کا بیج ہے، اور محبت کے تقاضے اہل محبت ہی خوب جانتے ہیں۔

شجر زیتون:۔ یہ درخت بھی دیگر چیزوں کی طرح دو رخوں کا مجموعہ ہے۔ ظاہری اور باطنی

(ج):۔ ظاہری رخ اس کے اوصاف طبی نقطہ نگاہ سے بے شمار ہیں، جو مفردات کی کتب میں درج ہیں، وہاں سے دیکھا جا سکتا ہے، تاہم اہم خوبی یہ ہے کہ اس کا تیل (روغن زیتون) چونکہ لطیف ترین ہے، ہر قسم کی کثافتوں سے مبرا و پاک ہے، اس لئے دل کے مریضوں کیلئے مفید ہے، اس میں کوئی ایسی چکنائی نہیں جو جسم کو موٹا کرے اور نہ ہی اس میں ایسی کثافت ہے جو روح کو مکدر کر دے۔

(د):۔ باطنی رخ چونکہ زیتون کو حضور اکرم ﷺ سے نسبت ہے اور حضور اکرم ﷺ کی نسبت کا حامل ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات کی تشبیہ کیلئے روغن زیتون کو منتخب کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں واضح کیا گیا ہے کہ روغن زیتون کا شعلہ دیگر روغنوں سے منفرد ہے ہر روغن کا ایک شعلہ ہوتا ہے، اور اس کے شعلہ پر سیاہ دھواں اٹھتا ہوا سب کو نظر آتا

ہے۔ لیکن روغن زیتون کے چراغ کے شعلہ میں یہ کمال ہے کہ اس شعلہ کے اوپر دھواں کی بجائے ایک اور شعلہ اوپر اٹھتا ہوا نظر آتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم کی "سورۃ نور" میں یوں ہے۔

نور علےٰ نور

یعنی شعلہ پہ شعلہ ہے پس حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس ومقدس وہ مثال رکھتی ہے جس میں کثافت نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں ان کے وجود سے ظلمت اور تاریکیاں جو کثافتوں کی سردار ہیں مٹتی چلی جاتی ہیں، جس دل میں حضور اکرم ﷺ کی نسبت کا دیا روشن ہو گیا اس کا قالب بھی مثل فانوس نور ہی نور بن جاتا ہے۔

سورۃ نور کی اسی آیت میں جس میں نور علےٰ نور کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے کائنات کو فانوس اور کوکب دری یعنی موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ قرار دیا ہے، انسان اسی کائنات کا خلاصہ ہے، جس کائنات کا وجود ذات محمدی ﷺ کے نور سے روشن ہے، جو فانوس اور کوکب کی صورت میں ہے، جب انسان کے قلب میں حضور اکرم ﷺ کی نسبت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے، تو وہ بھی مثل فانوس وستارہ بن جاتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ میرے ساتھی جو میری صحبت سے فیض یاب ہو رہے ہیں وہ بھی ستاروں کی مانند روشن ہیں ان کی نشاندہی کے مطابق ان کی روشنی میں سفر کرتے رہو تو تم اپنی منزل مقصود یعنی خود کو نجم وفانوس بنا سکتے ہیں، فانوس کی مانند انسان ہی قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے، انشاءاللہ تمام مومنوں کے وجود مثل فانوس بنا دیئے جائیں گے۔

ارشاد نبوی ﷺ:۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم واھتدیتم (مشکوۃ شریف)

ترجمہ:۔ میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں، ان کی تابعداری کر کے تم ان سے ہدایت پا جاؤ گے۔

طور سینین:۔کوہ طور کے بھی دو رخ ہیں ایک ظاہر اور دوسرا باطنی ۱

(الف):۔ظاہر رخ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر جلوہ ذات پڑنے سے جل کر سرمہ بن گیا تھا اور ۲
سرمہ کے استعمال سے آنکھوں کو صحت مل جاتی ہے۔چشم کی بینائی تیز ہو جاتی ہے۔جس کا ۳
استعمال سنت رسول ﷺ ہے۔نیز خواب میں سرمہ لگانا، خریدنا، مالک ہونا تعبیر کی کتب ۴
میں ''سرمہ'' کو نور ایمان قرار دیا گیا ہے۔ ۵

(ب):۔باطنی رخ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر سے ۶
اجازت لے کر اپنے وطن مصر روانہ ہوئے تو رات کے وقت طور سینین پر پہنچے تو اہلیہ جو ۷
حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھی اس کو تکلیف ہو گئی اور موسم سرما کی وجہ سے ۸
حرارت کی ضرورت تھی۔چنانچہ طور سینین (پہاڑ) پر دور سے آگ روشن نظر آئی۔حضرت ۹
موسیٰ علیہ السلام رات کی وجہ سے روشنی اور حرارت کی تلاش میں تھے۔دونوں کو آگ پورا کر ۱۰
سکتی تھی۔اس لئے پہاڑ پر چلے گئے۔ ۱۱

لہذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کیلئے پہاڑ پر پہنچے تو آگ کی بجائے ان کو نور ۱۲
نبوت سے نوازا گیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے معمور کر دیا گیا روشنی اور حرارت ۱۳
دونوں چیزیں مل گئیں۔ ۱۴

پھر جب ایک مدت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تقاضا کیا گیا کہ اپنی نبوت کی ۱۵
صداقت کی تائید و تصدیق کیلئے اپنی امت کے افراد کو اللہ تعالیٰ کا جلوہ دکھائیں تو اس وقت ۱۶
جلوہ ذات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ تمام افراد بے ہوش ہو گئے۔اور ۱۷
پہاڑ جل کر سرمہ بن گیا۔ ۱۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے پہاڑ (طور سینین) متبرک ہو گیا۔ ۱۹

شہر امین:۔اس شہر کے بھی دو رخ ہیں ایک ظاہری رخ اور دوسرا باطنی رخ ۲۰

(ا):۔ظاہری رخ میں یہ وہ مقام ہے جس جگہ پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ۲۱

نے خانہ کعبہ بنایا تھا اور دوسرا قبلہ ملک فلسطین میں بیت المقدس کو بنایا تھا۔

(۲):۔ خانہ کعبہ ہی حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے ام القراء ہے یعنی خانہ کعبہ یا مکہ معظمہ وہ آبادی ہے جو کرہ ارض پر تمام آبادیوں کی ماں ہے۔ لہذا دنیا کی آبادی کی ابتداء اسی شہر سے ہوئی تھی۔

(۳):۔ دوسرے مرحلہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام آزمائشوں میں کامیاب پایا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا۔

میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانا چاہتا ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ میری اولاد میں سے امام المتقین بنا دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا تو آپ کی اولاد سے ہزاروں کی تعداد میں انبیاء کرام کو پیدا کیا جو امام المتقین ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ حاجرہ سلام اللہ علیہا کی تمام اداؤں کو پوری ملت ابراہیم علیہ السلام پر واجب قرار دیا گیا تاکہ ان کی اداؤں کی یادیں تازہ رہیں، تفصیل درج ذیل ہے۔

ظاہری رخ

(الف):۔ حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس کیلئے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے سات چکر لگائے تھے، جو ملت ابراہیم علیہ السلام پر واجب کر دیئے گئے۔

(ب):۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں، جو ملت ابراہیم علیہ السلام پر واجب ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر اس کی بجائے جنت سے دنبہ لا کر ذبح کرایا تھا۔ ملت ابراہیم علیہ

السلام پر قربانی واجب ہے۔

(ت):۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے جس مقام پر نماز پڑھی تھی اس جگہ کا نام مقام ابراہیم رکھ دیا گیا۔

(ج):۔آب زم زم ظاہری و باطنی کمزوریوں کو دور کرنے کیلئے شفاء ہے۔یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام (جہاں دو نفل ادا کرنا واجب ہیں) کے اہل خانہ کی خاطر مکہ میں جاری کیا گیا۔

(چ):۔خانہ کعبہ پورے کرہ ارض کا مرکزی مقام ہے تمام اطراف اسی مقام سے جاری ہوتی ہیں،اور اس نسبت سے شجر زیتون کو نہ شرقی نہ غربی بلکہ تمام سمتوں کا مرکز قرار دیا گیا ہے،روغن زیتون کی روشنی کو مرکزی مقام عطا کیا گیا ہے،پوری کائنات میں ہر سمت یعنی 360 زاویوں میں روشنی پھیلتی جا رہی ہے،خانہ کعبہ کی ظاہری طور پر لوگ حاضری دیتے ہیں،یہاں سے منور ہو کر پھر اپنے علاقوں اور ملکوں کو چلے جاتے ہیں۔

(ح):۔اس شہر مکہ کو شہر امین قرار دیا گیا ہے،اس کے علاوہ دیگر خوبیاں بھی ہیں۔

باطنی رخ

(ا):۔شہر مکہ کے باطنی رخ سے مراد وہ مقام ہے،جب امر کن صادر ہوا۔اور تخلیق کا آغاز ہوا تو عالم بالا میں جس مقام پر پہلی تخلیق واقع ہوئی اس مقام کو ظہور ''کن'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور کن کے سفر کی آخری حد جس مقام پر تمام ہوئی وہ خانہ کعبہ کا مقام ہے۔ اوپر سے نیچے تک ایک خط مستقیم کھینچ دیا گیا،جسے خط تخلیق کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔وہ خط ہی صراط مستقیم ہے جو کائنات کے وجود کے عین وسط میں اوپر سے نیچے تک آنے اور جانے کا راستہ ہے۔

(۲):۔اسی مقام پر پہلے زمین کو ایک پیڑے کی صورت میں بنایا گیا جیسے روٹی پکانے کیلئے پہلے آٹے کا پیڑا بنایا جاتا ہے۔پھر اس کو پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔بعینہ زمین کے

پیڑے سے زمین کی روٹی بنادی گئی تھی۔ ۱
(۳):۔ زمین جو اس وقت روٹی کی صورت میں ہے۔ درحقیقت یہ پھر ایک پیڑہ کی ۲
صورت میں ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کو پھر ازسرنو پھیلایا جائیگا۔ تو یہ روٹی ۳
اندازاً 17,70,0000 پونے دو کروڑ گنا بڑی بنادی جائے گی وہ قیامت کے دن کی ۴
زمین ہوگی۔ (ماخوذ از سفر تخلیق انسان و کائنات اور آدم علیہ السلام) ۵
(۴):۔ شہر مکہ وہ مقام ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور خانہ ۶
کعبہ کی تعمیر مکمل کی تو شیطان مردود عداوت پر اتر آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ ۷
خداوندی میں حفاظت کی التجا فرمائی۔ تو مکہ معظمہ کے چاروں طرف ایک حد قائم کردی گئی ۸
جس کے اندر شیطان کا داخلہ منع ہے۔ اور وہ حد وہی ہے جن پر تمام مقامات میقات ہیں ۹
چاروں طرف حضرت آدم علیہ السلام کی حفاظت کیلئے فرشتوں کو مقرر کردیا گیا۔ ۱۰
(بحوالہ معلومات حج) ۱۱
(۵):۔ مقام میقات وہ حدود ہیں جو صراط مستقیم کا علاقہ ہے، یہ پورا علاقہ حقیقت کعبہ کی ۱۲
نوری لہروں کا مرکز ہے، صرف مرکز ہی نہیں کائنات کے وجود کا محور بھی ہے، جس پر کائنات ۱۳
کا ڈھانچہ قائم کیا گیا، اور اب تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔ ۱۴
پوری دنیا میں یہ شرف ملک حجاز کو حاصل ہے کہ اس ملک میں مکہ معظمہ واقع ہے۔ ۱۵
(سفر تخلیق ص......؟) ۱۶
(۶):۔ مکہ معظمہ کا ہی وہ مقام ہے جس جگہ کو میدان حشر بنایا جائیگا۔ اور اس جگہ پر عرش کو ۱۷
رکھا جائیگا۔ جسے آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوگا، اور اسی عرش پر اللہ تعالیٰ ہنستا ہوا استوا فرمائے ۱۸
گا۔ (سورہ......آیت......) ۱۹
(۷):۔ مکہ معظمہ ہی وہ مقام ہے جس جگہ پر عالم آخرت میں پہلی بار لوگ اللہ تعالیٰ کو بے ۲۰
حجاب دیکھیں گے۔ ۲۱

(۸):۔ حجرا سود کے بارے میں روایت ہے کہ اس پر وہ عہد لکھا ہوا ہے، جس پر جنت میں پوری نوع انسانی کی ارواح نے دستخط کئے تھے۔

(۹):۔ مکہ معظمہ وہی متبرک جگہ ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کی پیدائش واقع ہوئی اس شہر میں آپ ﷺ نے 53 سال تک رہائش رکھی اور اسی جگہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا رکھی ہے

(۱۰):۔ مکہ معظمہ وہی مقام ہے جو سفر ''یکون'' کی آخری حد ہے اور اسی جگہ سے ''ترجعون'' کی لہروں کا آغاز ہوتا ہے جو نیچے سے اوپر جانیوالی لہروں کا مقام ہے یکون کی لہر مثبت ہے اور ترجعون کی لہر منفی ہے اور ہر لہر تین تین رخوں کی جامع ہے۔

تین رخوں کے نام یہ ہیں۔

الف:۔ حقیقت کعبہ کی لہر مثل لباس ہے

ب:۔ حقیقت قرآن کی لہر مثل قالب ہے۔

پ:۔ حقیقت صلوٰۃ کی لہر مثل روح ہے، ہر لہر دو رخوں کی جامع ہے، اس طرح چھ لہریں ہیں جن سے کائنات کے وجود کو بنایا گیا ہے، اور انسان کا وجود جو خلاصہ کائنات ہے یہ بھی چھ ہی لہروں کے تانے بانے سے بنایا جاتا ہے۔

(لوح و قلم)

شہر مکہ معظمہ کے چند اوصاف اوپر بھی بیان کئے گئے ہیں۔

انجیر اور طور سینین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہے، جو محبین کے سردار ہیں اور زیتون اور شہر امین کو حضور اکرم ﷺ سے نسبت ہے اور وہ محبوبوں کے سردار ہیں۔ جن کے باعث ان متبرک چیزوں کی قسمیں اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہیں، جس انسان کی زندگی کی انوکھی داستان کی صداقت کیلئے ان متبرک چیزوں کی قسمیں اٹھائی ہیں اس ہستی کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کا سردار ہے۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے نائب ہے۔

گزشتہ صفحات میں شجرِ انجیر، شجرِ زیتون، پہاڑِ طور اور شہرِ امین کے ساتھ جو اشکال وابستہ تھے، ان کو دور کرنے کیلئے حل پیش کر دیئے گئے۔ اگلے صفحات میں سورۃ والتین کی آیت......"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کی تحقیق میں حائل اشکال کے حل پیش کئے جاتے ہیں۔

تیسرے اشکال کا حل

ترجمہ:۔ بیشک ہم نے انسان کو سب سے خوبصورت سانچے میں ڈھالا۔

(سانچہ کا لفظ مولانا اشرف علی تھانوی نے استعمال کیا ہے)

مندرجہ بالا آیت میں جس انسان کا ذکر ہے وہ عام نہیں بلکہ خاص انسان ہے، جب اس نقطہ نظر سے تفکر کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ انسان درجات اور تخلیق کے لحاظ سے تین طرح پر ہیں۔ ان میں سے کونسے انسان کا ذکر ہے؟

(الف) حضور اکرم ﷺ (انسان اول جو اصل ہیں)

(ب) حضرت آدم علیہ السلام (انسان دوم جو اصل کا ظل ہیں)

(ج) بنی آدم (انبیاء کرام کے سوا) (انسان سوم جو ظل کا ظل ہے)

(مکتوب 30 دفتر سوم)

جب سب سے زیادہ حسین ڈھانچہ (احسن تقویم) کا تعین ہو جائیگا کہ وہ کس ہستی کا ہے؟ جس میں اس انسان کو پیدا کیا گیا جس کا ذکر (فی احسن تقویم) ہے۔ وہ سانچہ کہاں سے آیا تھا یا لایا گیا تھا؟

اس اشکال کو دور کرنے کیلئے جب توجہ مرکوز کی جاتی ہے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

(د):۔ حضور اکرم ﷺ کا وہ وجود جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار نمونہ ہے، جس کا تعارف حضور اکرم ﷺ نے خود یوں کرایا ہے۔ "من راٰنی راٰ الحق (جس نے مجھے دیکھا

اس نے حق کو دیکھا)۔

اس جملہ کے دو معنی ہیں، جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا دوسرا، جس نے مجھے دیکھا اس نے ذات حق تعالیٰ کو دیکھا۔

جب تخلیق کے رخ سے حضور اکرم ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد کو دیکھا جاتا ہے، تو دوسرا معنی منطبق ہوتا ہے، لہذا سب سے حسین سانچہ (قالب) حضور اکرم ﷺ کا ہے، جو ذات حق کا نمونہ ہے۔

(ہ): ۔حضور اکرم ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے "ان اللہ خلق آدم علےٰ صورۃ"

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

پہلے ارشاد میں حضور اکرم ﷺ کا وجود (قالب) سب سے حسین سانچہ واضح ہو گیا۔

دوسرے ارشاد میں جو سانچہ سے پہلے لفظ (فی) وارد ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خوبصورت سانچہ میں بنایا گیا تھا۔ لہذا

<u>حضرت آدم علیہ السلام فی احسن تقویم ہیں اور حضور اکرم ﷺ احسن تقویم ہیں</u>

جب اس تناظر میں بنی آدم علیہ السلام کے وجود (قالب) کو دیکھا جاتا ہے تو پھر بات اس طرح واضح ہوئی ہے۔

ا: ۔سب سے خوبصورت سانچہ (قالب) حضور اکرم ﷺ کا ہے۔

۲: ۔حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے خوبصورت سانچہ (قالب) میں بنایا گیا۔

۳: ۔بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کے سانچہ (قالب) میں بنایا گیا۔

اس طرح احسن تقویم حضور اکرم ﷺ

فی احسن تقویم حضرت آدم علیہ السلام

فی ۔فی احسن تقویم بنی آدم ہے۔

جب یہ بات تحقیق سے واضح ہو چکی کہ فی احسن تقویم حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہے۔ تو پھر اگلی آیت ''ثم رددنہ'' میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سوا کسی دیگر انسان کی تخلیق کے بارے میں سوچنے کا تصور بھی اجاگر نہیں ہوتا۔

(نوٹ) حضور اکرم ﷺ نے اپنی صورت کو ذات حق سے نسبت دی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کرنا فرمایا ہے۔

ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ذات حقیقت ہے اور صورت مجاز ہے۔

اگلے صفحات میں ''ثم رددنہ اسفل سافلین'' میں پیش آنے والے اشکال کو دور کرنے والے حل پیش ہوں گے۔

چوتھے اشکال کا حل

''ثم رددنہ''

''سورۃ والتین'' اور ''سورۃ نجم'' میں لفظ ''ثم'' دونوں ہم معنیٰ ہیں۔

۱۔ (ثم) کا معنیٰ ہے، پھر اسی طرف جس طرف سے

۲:۔ (ردد) کا معنیٰ ہے، لوٹا دیا واپس کر دیا، جس کا مفہوم یہ ہے جس جگہ سے یا جس فرد سے جو (شے) لی گئی تھی اس (شے) کو اسی جگہ پر یا اسی فرد کو واپس کر دی گئی۔ (فعل ماضی)

۳:۔ (نا) کا معنیٰ ہے، ہم نے (بحیثیت فاعل)

۴:۔ (ہ) کا معنیٰ ہے، اس کو (بحیثیت مفعول)

پورا جملہ یوں ہے ''ہم نے جس (انسان) کو جس جگہ سے لیا تھا پھر اسی (انسان) کو اسی جگہ واپس کر دیا، جہاں سے لیا تھا''

نوٹ

''سورۃ والتین'' اور ''سورۃ نجم'' دونوں میں انسان کی تخلیق کے عمل کو بیان کیا گیا ہے،

''سورۃ والتین'' میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے عمل کی روئیداد پوشیدہ ہے،اور سورنجم کی آیت نمبر 8 میں حضور اکرم ﷺ کے اس وجود کی تخلیق کے عمل کی داستان پوشیدہ ہے،جس وجود کو کائنات کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا گیا تھا،وہ انسان اول ہیں،اور آدم علیہ السلام انسان دوم ہیں۔

سورۃ والتین میں لفظ''رددنہ'' کے بعد جس جگہ کا نام بتایا گیا ہے اس کی سمت نیچے کی طرف وہ جگہ ہے جو کائنات کا سب سے نچلا طبق ہے۔جسے اسفل سافلین قرار دیا گیا ہے۔

دیکھیں اسفل سافلین سے مراد کونسی جگہ واضح ہوتی ہے؟

کرہ ارض......یا......درک اسفل النار(یعنی دوزخ)

پانچویں اشکال کا حل

اسفل سافلین

سے مراد کونسی جگہ ہے؟ یہ ایسا اشکال ہے جس کو دور کرنے کیلئے امت مسلمہ کے علماء کرام اور مفسرین صدیوں سے مصروف ہیں اور کوئی حتمی فیصلہ کئے بغیر روایات کو بیان کرنے کے بعد لکھ دیا جاتا ہے،اللہ عالم بالصواب جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم (مفسرین) نے اپنی پوری کوشش کرنے کے بعد لکھا ہے اور پورے وثوق اور اعتماد سے لکھا ہے لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پائے کہ''اسفل سافلین'' سے کیا مراد ہے؟ ہاں آنے والے اصحاب فکر کے لئے اپنی اپنی رائے بیان کر کے رہنمائی کر دی گئی ہے۔

قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے سے جس حقیقت سے آگاہی ہوتی ہے اسے لکھا جاتا ہے۔

اسفل:۔کا معنی ہے سب سے نیچے

سافلین:۔سافلین کا لفظ سافل کی جمع ہے۔یعنی کائنات کے جتنے طبق اوپر سے نیچے تک ہیں ان سب کو سافلین اور اسفل سے مراد سب سے آخری طبق ہے۔

کیا اسفل سے مراد کرہ ارض ہے یا دوزخ" ایسا واضح ہوتا ہے کہ عالم اجسام میں اسفل سے مراد کرہ ارض اور عالم آخرت میں اسفل سے مراد دوزخ۔"

اسفل کی حقیقت کو جاننے کے لیے ان سورتوں کو ترتیب نزولی کے لحاظ سے لکھا جاتا ہے، جن میں فقط اسفل پایا جاتا ہے، تاکہ ان آیات کی روشنی میں اسفل کے حقیقی مقام کا تعین ہو سکے۔

ترتیب نزولی کے لحاظ سے جن سورتوں میں لفظ اسفل وارد ہے ان کو نیچے لکھا جاتا ہے۔

آیت نمبر	ترتیب صعودی	ترتیب نزولی	سورہ کا نام	
۱۔	95	28	والتین	5
2۔	88	88	انفال	42
3۔	33	90	احزاب	10
4۔	04	92	النساء	145

سورۃ والتین

سورۃ والتین کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ یہ مکہ معظمہ میں بعثت کے پانچویں سال نازل ہوئی تھی جس میں لفظ "اسفل" استعمال ہوا ہے۔ اور وہی زیر بحث اور باعث اشکال ہے۔

اس سورۃ میں لفظ اسفل سافلین وارد ہے جو بعثت کے بعد پہلی بار سامنے آیا تھا اس لئے اس کے معنی اور اس سے مراد پر تفکر کرنا مشکل تھا اور حالات بھی مشکل ترین تھے۔ صحابہ کرام کی تعداد کم و بیش ایک سو پچاس تھی۔ جو مصائب کی آگ میں جل رہے تھے لیکن جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت پہلے "سورۃ بقرہ" نازل ہوئی۔ اس کے تین سال بعد سورۃ انفال نازل ہوئی۔ سورۃ بقرہ کا ترتیب نزولی کے مطابق شمار 87 ہے۔ اور سورۃ انفال کی ترتیب نزولی کے مطابق شمار 88 ہے۔ جس کے نزول کا

وقت بعثت کا اندازاً 17 واں سال ہے۔ یعنی سورۃ والتین کے 12 سال بعد نازل ہوئی تھی ۱
۔تو اس موقع پر لفظ اسفل کی جستجو پیدا ہوئی ہوگی؟ ۲

<u>سورۃ انفال 88</u> ۳

سورۃ انفال کی آیت 42 کا ترجمہ نیچے لکھا جاتا ہے۔ ۴

یہ آیت 2 ہجری جنگ بدر کے وقت نازل ہوئی جس کے بارے میں سید حامد حسن بلگرامی ۵
یوں فرماتے ہیں:۔ ۶

(نوٹ) ذرا! یہ بھی غور کرو کہ کفار کو بدر میں کیسے پسپا کیا گیا وہ کس ارادے سے نکلے تھے ۷
۔اور پھر کس طرح فوج سے ٹکرا گئے۔ تم کس ارادہ سے چلے تھے مال غنیمت کے فکر میں تھے ۸
۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ صورت پیدا فرمادی تم ان کی تعداد اور ان کے سامان حرب سے ۹
خائف تھے وہ تمہارے تقویٰ اور ایمان سے مرعوب تھے تم اس کنارہ پر تھے وہ اس کنارہ پر ۱۰
تھے یہ صرف ظاہر طور پر نہ تھا۔ بلکہ قلوب میں بھی فرق تھا۔ ۱۱

سوچو اگر اللہ تعالیٰ تم کو توفیق ارادہ بخش کر خود مدد نہ کرتا تو حق و باطل کا یہ فیصلہ کیسے ہوتا؟ یہ ۱۲
تاریخ کا یادگار دن ہے۔ مسلمانوں کیلئے ہمیشہ کے واسطے حوصلے افزائی کا دن کیسے بنا؟ ۱۳

مندرجہ بالا نوٹ کے بعد آیت کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ ۱۴

ترجمہ:۔ جس وقت تم وادی کے اس (اونچے) کنارہ پر تھے اور وہ کفار وادی کی دوسری ۱۵
جانب اور قافلہ (جس پر تم حملہ کرنے والے اور مال غنیمت لوٹنے کیلئے نکلے تھے) وہ ۱۶
(قافلہ) تم سے نیچے (اسفل) تھا (تم سے بچتا ہوا جا رہا تھا) اگر تم لڑائی کیلئے مقرر وقت سے ۱۷
آگے پیچھے پہنچتے (تمہارا ایک ساتھ وعدہ پر پہنچنا اور یوں جمع ہونا حسن اتفاق نہ تھا) ۱۸
لیکن خدا کو منظور تھا کہ جو کام ہونے والا تھا اسے پورا کرتا کہ جس نے مرنا ہے وہ حجت ۱۹
پوری ہونے کے بعد مرے اور جس نے جینا ہے وہ (تمام) حجت کے بعد جیئے (کافر دیکھ ۲۰
لیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ حق پر ہیں) مسلمان "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ۲۱

ایمان اور عمل سے حجت پوری کر دیں اور بیشک (اللہ تعالیٰ مظلوموں (ایمان والوں کی) فریاد سننے والا اور جاننے والا ہے، وہ صاحب قدرت، صاحب حکمت ہے۔ جس کو جس طرح چاہتا ہے کامیابی عطا کرتا ہے۔) (فیوض القرآن آیت 42)

مندرجہ بالا آیات میں ایسی وادی کا ذکر ہے جس کے دو کنارے ہیں وادی کا ایک کنارہ بلند ہے جس کے اوپر صحابہ کرامؓ ہیں اور وادی کا دوسرا کنارہ نیچا ہے اور اتنا نیچا ہے کہ راہ چلتا قافلہ نظر نہیں آتا۔ اس میں جو بات قابل تفکر ہے وہ یہ ہے کہ وادی کے ایک کنارہ کو اسفل قرار دیا گیا ہے۔ جو سب سے نچلا طبق ہے جو کرہ ارض کا حصہ ہے۔ جس پر فنا "وارد" ہو گی اور "فی درک اسفل نار" عالم آخرت کا حصہ ہے۔ جس پر فنا وارد نہ ہو گی۔

سورۃ احزاب 90

یہ سورہ بھی مدینہ منورہ میں ہجرت کے پانچویں سال جنگ خندق کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ یعنی بعثت کے 17 ویں سال میں اور سورۃ والتین کے 12 سال بعد نازل ہوئی اس سورہ میں بھی کرہ ارضی کے ایک حصہ کو اسفل قرار دیا گیا ہے۔ جس کا ذکر یوں ہے:۔

ترجمہ:۔ جب تم پر (مدینہ منورہ کے) بالائی (فوق) کی طرف سے اور (مدینہ منورہ کی زیریں یا نچلے اسفل کی) طرف سے (دشمن کے لشکر) آپڑے۔ اور جب (لوگوں کی خوف اور دہشت سے) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے۔ اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرتے رہے۔ (کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کب اور کیسی آتی ہے، کیا ہوتا ہے؟)

مندرجہ بالا آیت میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کرہ ارض کے حصہ کو اسفل قرار دیا گیا ہے۔ اور جب کسی شے کا جزاسفل قرار پا سکتا ہے تو اس کا پورا وجود بھی اسفل قرار پا سکتا ہے۔ اور دوسرے حصہ کو فوق قرار دیا گیا لہذا اسے فوق بھی شمار کر سکتے ہیں۔

۱ مندرجہ بالا دو سورتوں ''انفال'' اور ''احزاب'' میں کرہ ارض کیلئے اسفل کا لفظ وارد ہو چکا
۲ ہے۔
۳ **سورۃ النساء**
۴ سورۃ النساء کے نزول کا وقت اندازاً، سن ہجری کے پانچویں اور چھٹے سال کے درمیان
۵ کا ہے۔ جب یہودی قبیلہ کو مدینہ سے بدر کیا گیا تھا۔ جو منافق تھے اور اسلام کے خلاف
۶ سازشوں کے محرک تھے اور معاہدہ کے توڑنے والے تھے۔ ان کے بارے میں یوں ہے۔
۷ ترجمہ:۔ بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبق (فی الدرک اسفل النار) میں
۸ ہوں گے اور تم ان کا کوئی یارومددگار نہ پاؤ گے (کہ ان کو اس طبقہ سے نکال سکے یا عذاب
۹ میں کچھ کمی کرادے)۔ (آیت نمبر 145)
۱۰ سورۃ والتین جس کا نزول بعثت کے 5 سال بعد ہوا تھا۔ جس میں لفظ ''اسفل'' وارد ہے۔
۱۱ اس کے کم وبیش 12 سے 15 سال بعد سورۃ انفال اور سورۃ احزاب نازل ہوئیں۔ جن میں
۱۲ لفظ اسفل کا ذکر کیا گیا۔ مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں زمینی حقائق کا ذکر ''اسفل'' کے لفظ
۱۳ سے کیا گیا اور سورۃ النساء میں عالم آخرت کا ذکر ہے۔ جس کا حصہ دوزخ ہے جو کرہ ارض
۱۴ سے الگ حقیقت ہے، قیامت کے دن دوزخ کو زمین کے اوپر رکھا جائیگا اس طرح دوزخ
۱۵ کے سب سے نچلے طبق کے نیچے بھی زمین ہوگی۔ اس رخ سے بھی کرہ ارض اسفل ہے۔
۱۶ سورۃ النساء میں لفظ ''اسفل'' کا ذکر ہے جس نے کرہ ارض اور دوزخ میں امتیاز پیدا کر
۱۷ دیا۔
۱۸ جب اس تناظر میں تفکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کرہ ارض کا وجود
۱۹ دوزخ سے جدا ہے کرہ ارض ہرگز دوزخ کا حصہ نہیں ہے۔ اور جب تک بنی آدم پہلے کرہ
۲۰ ارضی پر قدم رکھنے کے بعد سے سنِ تمیز کی حد تک نہیں پہنچتا تو اس پر کفر کی حد نافذ یا لاگو نہیں
۲۱ ہو سکتی۔ اور کفر ہی کی سزا دوزخ ہے۔

سورہ والتین کی آیت 4 جس میں انسان کی تخلیق کا ذکر ہے، پھر جب اسے واپس کیا گیا تو لوٹاتے وقت بھی ایک ہی انسان کا ذکر ہے اور یہ ایسی کاروائی ہے جو صرف حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ واقع ہوئی تھی، اور یہ بات مسلمہ ہے، اور کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر کرہ ارض پر لایا گیا تھا، تو اس عمل کو ھبوطِ آدم کہا گیا لہذا اسفل سافلین سے مراد کرہ ارض ہے۔

جب سورہ والتین کی آیت 6 کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جس میں ایمان لانے والوں کو دوزخ سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے، تو بات واضح ہو جاتی ہے، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مبارکہ کرہ ارض پر آ گئے تو ان کے ہاں اولاد پیدا ہوئی جو کرہ ارض پر پھیلتی گئی، پھر اس اولاد میں وہ گروہ جو ایمان لانے والا ہے، اس کو دوزخ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا، جس سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ بنی آدم خواہ وہ ایمان لانے والا ہو یا کفر کرنے والا ہو اس کو کرہ ارض کے میدان کارزار میں آنا لازم ہے، تاکہ اپنے اور اپنے والد حضرت آدم علیہ السلام کے ازلی دشمن سے مقابلہ کر کے فتح و شکست کا ثمرہ پا لینے کے بعد کرہ ارض سے رخصت ہوگا یہ کیسے ممکن ہے، کہ کوئی شخص والدہ کے بطن میں آنے سے پہلے جنت میں چلا جائے گا، یہ کائناتی قانون کے خلاف ہے۔

نتیجہ:۔ بنی آدم ہو یا حضرت آدم علیہ السلام ان دونوں کا پہلا سٹاپ کرہ ارض ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ھبوط جنت سے کرہ ارضی پر ہوا تھا۔ اور بنی آدم کا ھبوط والدہ کے پیٹ سے کرہ ارضی پر ہوتا ہے۔ لہذا یہ کرہ ارض ہی ہے جس پر فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کہ اسفل کا حقدار کون ہے؟ اور اعلیٰ کا حق دار کون ہے؟

☆......☆......☆

احسن تقویم کی تشریح ایک دیگر رخ سے

(اقتباس از، استفسارات دراسرار حبیب ص 152 تا 184)

احسن تقویم کے دو رخ ہیں۔ جو ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ظاہری ۲۔باطنی

ظاہری رخ

انسان کے ظاہری طور پر احسن تقویم ہونے کی مندرجہ ذیل صورتیں ممکن ہیں۔

(الف):۔انسان کو کسی بہترین صانع نے بنایا ہو۔

(ب):۔انسان کو کسی بہترین ورکشاپ میں بنایا گیا ہو۔

(ج):۔انسان کے وجود کے اجزاء کسی بہترین مقام سے حاصل کیے گئے ہوں۔

مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں کی وضاحت تو آسانی سے مل جاتی ہے۔ لیکن تیسری صورت میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے دو صورتوں کی وضاحت کرنے کے بعد تیسری صورت کی تشریح کی جائے گی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمادے۔ تو اشکال دور ہو جائے گا۔

وضاحت

(الف):۔بہترین صانع

اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے وہ اپنی کمال مہربانی کا اظہار فرماتا ہے۔ اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں فرماتا ہے "میں نے انسان کو اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے بنایا" "خلقت بیدی"

(ب):۔بہترین ورکشاپ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بنی نوع انسان تمہیں سب سے حسین صورت عطا کی گئی۔"

صورکم فاحسن صورکم " والدہ کا بطن بہترین ورکشاپ ہے۔

(سورہ تغابن آیت نمبر 3)

(ج):۔ انسان کے وجود کے اجزاء

انسان کے اجزاء کے بارے میں "ثم رددنہ" کی تشریح میں بیان ہو چکا ہے، کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے اجزاء اسفل سے حاصل کئے گئے۔ لہٰذا اجزاء اسفل ہوئے اور اسفل کے روایتی اور لغوی معنوں کے مطابق اسفل کائنات کے تمام طبقات کے فاضل اجزاء کا نا پسندیدہ مجموعہ ہے، اس لئے انسان کا جسم بھی اس زمرہ میں شمار ہوگا لیکن جب مندرجہ ذیل شہادتوں پر غور کریں تو معاملہ برعکس پایا جاتا ہے۔

i:۔ فرشتوں کے خدشہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صفائی پیش کرنا۔

ii:۔ طین (مٹی) کی اہانت پر شیطان کا دربار عالیہ سے نکالا جانا۔

iii:۔ انسان کا بار امانت اٹھانا۔

iv:۔ انسان کا خلاصہ کائنات ہونا۔

v:۔ حضورﷺ کا کرہ ارض پر زندگی بسر کرنا اور اسی کرہ ارض کے بطن کے اندر مستور ہو کر اس کی تمام توانائیوں کو جلا بخشنا۔

وضاحت

(i):۔ جب انسان کی تخلیق کیلئے فرشتوں کی رائے طلب کی گئی تو انہوں نے انسان کی کمزوریوں کو بیان کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی صفائی درج ذیل الفاظ میں بیان کی۔

"انی اعلم ما لا تعلمون" بے شک میں تم سب سے بہتر جانتا ہوں۔

(بقرہ۔30)

ii: شیطان نے مٹی (طین) کو آگ یعنی (نار) سے اسفل کہہ کر اہانت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے

اس کو گستاخی کی سزا دی اور شیطان کو اپنے دربار سے نکال دیا۔

iii: انسان نے اللہ تعالیٰ کی امانت کا بار اٹھایا۔

انسان نے بار امانت کو صرف اٹھایا ہی نہیں بلکہ اور زیادہ کی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس جرأت کو پسند فرما کر ارشاد فرمایا:۔

''انه كان الانسان ظلوما جهولا'' انسان حد سے بڑھنے والا ظالم اور جاہل ہے۔

(سورہ احزاب 33 آیت 72)

درحقیقت یہ الفاظ محبت سے لبریز ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت کی تعریف فرمائی ہے۔

iv: انسان خلاصہ کائنات ہے۔

انسان کا وجود کائنات کے وجود کا جوہر نہ ہوتا تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کی امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا۔ اس لئے بار امانت بھی جوہر ہے۔ اس کو اٹھانے کی صلاحیت بھی جوہر ہی کو حاصل ہے۔ یہ کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو — فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں افرشتہ و حور — کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

(حضرت علامہ اقبالؒ)

v: حضور اکرم ﷺ کا کرہ ارض میں دائماً مقیم ہونا۔

مندرجہ بالا شہادتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کرہ ارض حقیقت میں کائنات کے تمام طبقات کا جوہر اور خلاصہ ہے۔ اس کو اسفل کہہ کر مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی تعریف کی گئی ہے۔ جس طرح انسان کو ظالم اور جاہل کہہ کر تعریف کی گئی ہے۔ کیا اس کی تائید اور تصدیق کیلئے یہ بات کافی نہیں ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ نے خطہ عرب کے شہر مدینہ کو اپنا مسکن بنایا

ہوا ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اسفل (گھٹیا) میں رکھے۔

احسن تقویم کا باطنی رخ

احسن تقویم کے ظاہری رخ کی تشریح کے دوران سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ

ا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے روز اول روح محمدی ﷺ کو انسانی صورت میں پیدا کیا۔ وہی صورت احسن ہے۔ پھر سیدنا آدم علیہ السلام کی صورت کو "فی احسن تقویم" کس لئے کہا گیا ہے؟

۲: اصول یہ ہے کہ جو پہلے آئے وہ پہلے پائے۔ لہذا سب سے پہلے روح محمدی ﷺ پیدا کی گئی۔ پھر جب روح کو وجود عطا کیا تو سب سے پہلے سیدنا احمد ﷺ کے وجود کو پیدا فرمایا۔ جس وجود سے کائنات کے وجود کو مشتق کیا گیا پھر کائنات کے وجود سے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو حضور کے وجود احمد ﷺ کے سانچہ میں بنایا گیا تھا۔ اس لئے "فی احسن تقویم" کہلائے۔ جب عالم بالا میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر ان کو زمین پر بھیجا گیا۔ تو ان کے وجود میں حضور اکرم ﷺ کے وجود کو سوار کر کے عالم بالا سے نیچے لایا گیا۔ جس کا ذکر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موزوں کردہ نعت میں ہے۔

نعت کا مفہوم

ا: جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام اپنے اپنے جسموں کو (جنت میں) پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ اس وقت سے بہت پہلے آپ ﷺ مسرت و شادمانی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔

۲: ان کے جنت میں زمین پر اتارے جانے کے بعد آپ بھی ان کے ہمراہ زمین پر تشریف لے آئے۔ جبکہ آپ ﷺ نہ تو اس سے پہلے بشری صورت میں تھے اور نہ گوشت

اور علق کی حالت میں۔

۳: بشریت کے ظہور کے بعد آپ احسن طریقے سے محفوظ مقامات کے اندر ایک ایسے سوار کی طرح جلوہ فرما رہے تھے۔ جو گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھے ہوئے ہوں۔ جس سے اگلی منزل پر پہنچتے تو پچھلی روپوش ہو جاتی۔

۴: آپ ﷺ کا ہر مسکن (ہر قسم کی آلودگی اور خطرات سے) محفوظ تھا۔ جیسے خندقوں اور بلند چٹانوں سے گھرا ہوا ہو۔ لیکن آپ ان مقامات میں بھی کائنات کی زبان بن کر رہے۔

۵: آپ ﷺ مقدس اصلاب سے پاکیزہ ارحام کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

۶: جب آپ ﷺ (سیدہ آمنہؓ کی گود میں) بزم آرائے جہاں ہوئے تو تشریف آوری کے باعث زمین ''پُر نور'' ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

۷: ہم آپ ﷺ کی ضیاپاشی اور نورانیت کے صدقے ہی تو راہ ہدایت پر گامزن ہیں۔

۸: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہی کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوئی اور آپ ہی آگ سے بچاؤ کا سبب بنے۔ جب آگ بھڑک رہی تھی۔

بحوالہ رسالہ نور محمدیؐ سے ولادت تک۔ صفحہ 13/14۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

نوٹ:۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو ''فی حسن تقویم'' اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کو اسی پیکر میں بنایا گیا جو پیکر وجود احمدی ﷺ کا ہے۔ چونکہ وہی پیکر سب سے حسین ہے۔ اسی بناء پر حضرت آدم علیہ السلام کو ''فی احسن تقویم'' کہا گیا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو پہلے ظہور میں لانے میں غالباً مندرجہ ذیل حکمتیں ہیں۔

۱۔ بنی نوع انسان کے روح کے نزول کا باعث حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بطور راستہ

ہے۔

۲:۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود انسان کا ظاہر کہلاتا ہے۔ اور وہ وجودِ احمدی ﷺ کے پیکر میں بنایا گیا، بنی نوع انسان کے ظاہر کو اندر سے بھی احسن تقویم کی صورت عطا کرنا مقصود تھا۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے وجود اقدس وانور کو حضرت آدم علیہ السلام کے اندر سے گزارا گیا تا کہ اس کو احسن تخلیق ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ جس سے تمام بنی نوع انسان کا باطن باریاب ہو گیا اور پوری بنی نوع انسان فی احسن تقویم کے روپ میں آ گئی۔ جو انسان کہلائی۔

سوال:۔ احسن تقویم کی تشریح کے دوران یہ اشکال پیدا ہوئے کہ

آدمیت اور انسانیت دو الگ الگ حقائق ہیں۔ ان کی تفصیل کیا ہے؟

جواب:۔ آدمیت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے قالب سے ہوئی۔

انسانیت کی ابتداء روح احمد ﷺ کی تخلیق سے ہوئی۔

آدمیت

آدمیت کے بارے میں اوپر درج حدیث میں یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کو کائنات کے تمام طبقات کی تکمیل کے بعد کرہ ارض سے بنایا گیا ہے۔ لیکن جب انسان کی پیدائش پر غور کریں تو مندرجہ ذیل باتیں بنی نوع آدم سے مختلف نظر آتی ہیں۔

۱: حضرت آدم علیہ السلام کو والدین کے بغیر پیدا کیا گیا۔

۲: حضرت حواء علیہ السلام کو بغیر والدہ کے پیدا کیا گیا۔

۳: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے پیدا کیا گیا۔

۴: حضرت آدم علیہ السلام کو عالم اعلیٰ سے عالم اسفل میں لایا گیا حضرت حواء علیہا السلام بھی ساتھ تھیں۔

۵: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عالم اسفل سے عالم اعلیٰ کی طرف اٹھالیا گیا۔ ۱

مندرجہ بالا باتوں پر غور کریں تو پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں یہ وا ۲
ضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کائنات کے وجود سے ظہور میں آئی اور کائنات ۳
کا دائرہ دو قوسوں پر مشتمل ہے۔ ہر قوس ایک عالم ہے، عرش سے اوپر عالم اعلیٰ اور نیچے عالم ۴
اسفل ہے۔ ۵

حضرت آدم علیہ السلام کا وجود عالم اسفل سے بنایا گیا اور روح عالم اعلیٰ کی داخل کی گئی ۶
۔حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا سفر دونوں گھروں (عالموں) میں رہا۔ ۷

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے والدین نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام کی ۸
پیدائش سے وصال تک زندگی کی تمام کاروائی ایک نظام کے ساتھ مربوط نظر آتی ہے۔ اورا ۹
یسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی تخلیق کے موقعہ کی مناسبت سے وہ تمام امور طے پا ۱۰
ئے جو اس دنیا میں والدین انجام دیتے ہیں۔ ۱۱

مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں ۱۲

۱: آپ علیہ السلام کو عالم اسفل سے اٹھایا گیا اور عالم اعلیٰ میں پرورش پائی۔ ۱۳

۲: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات نے ایک ماہ قمری کے برابر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدا ۱۴
ئش پر اپنی خواہشات کو روک لیا۔ یہ بات اس لئے کہی جارہی ہے کہ ماہ رمضان کے صیام کی ۱۵
حقیقت اس میں درج نظر آتی ہے (اگر ایسا نہیں ہے تو یہ اصل حقیقت کا پرتو ہے اس بارے ۱۶
میں محققین سے التماس ہے کہ اس پر تحقیق فرما کر واضح کریں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ (نوٹ ۱۷
)اس معاملہ کا حل سورہ نجم کی تحقیق کے دوران سامنے آئے گا)۔ ۱۸

۳: جتنا عرصہ جنت میں پرورش پائی اتنا عرصہ بنی نوع انسان کی پیدائش کے بعد والدہ ۱۹
کیلئے بچے کو دودھ پلانے کا تعین کر دیا گیا۔ یعنی والدہ کے پستان جنت کا قائم مقام بنا دیئے ۲۰
گئے۔ (حولین کاملین) ۲۱

۴: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم عطاء کیا۔

۵: نائب، قائم مقام، احکام کے اجرا اور دیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے شان وشوکت عطا ہوتی ہے۔ اور باطنی قوتوں سے نوازا جاتا ہے۔ وہ متصل بملا ئیک مشتمل بخلائق ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم روحانی اور عالم جسمانی کا مجموعہ بنایا۔

(سورہ بقرہ، فیوض القرآن)

۶: تعلیم وتربیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا دربار سجایا۔

۷: تمام فرشتوں اور ارواح میں آپ کا تعارف کروایا۔ پھر خلافت کا اعلان کیا حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرانے کیلئے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ جس نے تعظیم کی وہ مقبول ہوا۔ جس نے انکار کیا اس کو دربار سے نکال دیا گیا۔

۸:۔ حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی دلداری کے لئے پیدا کیا گیا۔ اور جنت میں ساتھ رکھا گیا۔ یعنی جیسے شادی کے بعد میاں بیوی کو کسی خوشگوار مقام پر بھیج دیا جاتا ہے تو جنت اصل ہے اور وہ مقام جنت کا قائمقام ہے۔

۹:۔ پھر ان دونوں کو الگ گھر بسانے کیلئے کائنات کے ایک طبق یعنی کرہ ارض پر بھیج دیا۔

۱۰:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جب دنیا میں ھبوط ہوا اور آپ کے گھر اولاد پیدا ہوئی۔ تو باپ (حضرت آدم علیہ السلام) نے وہ تمام واقعات جو عالم بالا میں پیش آئے ان کا ذکر اولاد سے کیا ہوگا۔ پھر اولاد نے واقعات سننے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی ہوگی کہ اے ہمارے ابا جان! ہمیں بھی جنت میں جانے کی اور اس میں رہنے کی آرزو ہے۔ تو پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو زندگی کے وہ اطوار اور طریقے تلقین فرمائے ہوں گے۔ جس سے وہ جنت میں چلے جائیں۔ وہ اطوار اور طریقہ حیات ہی شریعت ہوگی۔

سوال:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نام میں کیا راز ہے؟ اس لئے کہ عالم بالا میں یہ سب

سے پہلا انسانی نام ہے۔

جواب:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نام پر غور کریں تو آدم کے حروف مقطعات کی طرح ہم کلام ہو کر اپنے بطن میں پوشیدہ رموز و اسرار ظاہر کرتے ہیں۔ جس سے آدمیت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

۱:۔ آدم نام عالم بالا میں رکھا گیا۔

۲:۔ آدم نام اللہ تعالیٰ نے رکھا جو حکیم مطلق ہے، یہ نام ان تمام حکمتوں کا حامل ہے۔ جو بنی نوع آدم کی تخلیق کے بارے میں ہے۔

آدم

''ا'' الف سے مراد سیدھا راستہ ہے اور سیدھا راستہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا وجود اقدس ہے، جو بنی نوع آدم کی پیدائش (ھبوط) کا باعث ہے۔

''د'' دال سے مراد دار (گھر) ہے۔

''م'' میم سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

خلاصہ

۱:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ایک راستہ ہے جس سے بنی نوع انسان کی پیدائش (ھبوط) ہوئی اور زمین حضور اکرم ﷺ کا گھر ہے۔

راستہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ دو مقامات کو آپس میں ملانے کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو رخ ہیں۔

۱:۔ حضرت آدم علیہ السلام خود راستہ ہیں، جس راستہ سے بنی نوع انسان کا ھبوط جاری ہوا۔

۲:۔ حضرت آدم علیہ السلام خود مسافر ہیں، جس راستہ سے عالم بالا سے ھبوط کیا اس راستہ کی ابتداء عالم بالا میں ہے۔ اس راستہ کے شروع میں راستہ کا نام لکھا ہوا ہے۔'' آدم''

1 یعنی یہ راستہ حضرت محمد ﷺ کے گھر کو جاتا ہے۔
2 حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بنی نوع انسان کے ہبوط کا باعث ہے۔آدمیت کی حقیقت
3 کو واضح کرتا ہے۔
4 آدمیت اور انسانیت میں فرق
5 آدمیت
6 آدمیت وہ دروازہ یا سرنگ ہے، جس میں سے انسانیت اپنا سفر طے کرتے ہوئے گزر
7 رہی ہے۔آدمیت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے ہوئی۔یعنی آدمیت
8 انسانیت کا لباس ہے۔
9 حضرت حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کے جسم سے پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
10 والدہ کے جسم سے پیدا کیا گیا جس سے قانونِ فطرت کا تقاضا پورا ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ
11 السلام کو عالم اعلیٰ کی طرف اٹھا لیا گیا۔جس سے یہ ثابت ہو گیا جسم اور روح دونوں ہبوط اور
12 عروج کر سکتے ہیں۔
13 انسانیت
14 انسانیت وہ حقیقت ہے جو آدمیت کے لباس میں مستور ہے۔جس کی تائید آدمیت کی
15 تشریح کے دوران درج ذیل واقعات سے ہوتی ہیں۔
16 ۱:۔حضرت آدم علیہ السلام کا عالم اسفل کی طرف جسم عنصری کے ساتھ ہبوط کرنا۔(رددنہ)
17 سے واضح ہوتا ہے۔
18 ۲:۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عالم اسفل سے عالم بالا کی طرف جسم عنصری کے ساتھ صعود
19 کرنا۔قرآن مجید میں مندرجہ بالا واقعات تاریخ میں ایسی شہادتیں موجود ہیں، جو حضور اکرم
20 ﷺ کے معراج سے پہلے وقوع میں آچکی تھیں۔
21 ان شہادتوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کا معراج میں عالم اعلیٰ کی طرف عنصری وجود

۱ کے ساتھ عروج کرنا اور پھر ھبوط کرنا باعث تعجب نہیں ہے۔ جس کا کوئی انکار کرے۔ اس
۲ کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ معراج کی شب حضور اکرم ﷺ نے نماز کی
۳ رکعتیں کم کرانے کیلئے کئی بار صعود و نزول فرمایا۔ اگر یہ کام مشکل ہوتا تو آپ ﷺ نہ کر
۴ پاتے۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایسا کرنے میں آزاد اور مختار ہیں۔
۵ صعود و نزول میں کوئی ایسا کمال نہیں ہے جس کو اجاگر کیا جائے۔
۶ سوال:۔ اگر صعود و نزول کمال نہیں ہے تو پھر اور کونسا کمال ہے؟ جو معراج میں ظاہر ہوا۔
۷ جواب:۔ معراج حقیقت میں معرفت الٰہی کو حد کمال تک پہنچانے کا نام ہے، اس کمال کا
۸ شرف حضور اکرم ﷺ کی معراج ہے، جس سے کائنات کی ہر جہت کو کمال حاصل ہوا ہے،
۹ معرفت الٰہی ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہوئی، جو روح محمدی ﷺ کا مقدر ہے، اور معرفت
۱۰ الٰہی کو کمال عروج تک پہنچانے کا امتیاز حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ اور یہ امتیاز معراج کی
۱۱ رات حاصل ہوا۔ نیز معرفت کی انتہا تک رسائی کی فضیلت جسم محمدی ﷺ کا کمال ہے، جس
۱۲ سے کائنات کی تخلیق ظہور میں آئی۔ سفر معراج کائنات کی ہر جہت کی تکمیل کا باعث ہے۔
۱۳ سوال:۔ معراج کی تفصیل کیا ہے؟
۱۴ جواب:۔ معراج کی تفصیل درج ذیل ہے۔
۱۵ ا:۔ حضور اکرم ﷺ کا وجود دو رخ کا جامع ہے جو درج ذیل ہیں۔
۱۶ (الف):......روح (ب):......جسم
۱۷ ۲:۔ کائنات:۔ دائرہ کائنات دو قوسوں کا جامع ہے، جو قاب قوسین کا مظہر ہے۔ جس کی
۱۸ تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ قوس اول روح احمدی ﷺ کا مظہر اور قوس ثانی جسم
۱۹ احمدی ﷺ کا مظہر ہے۔
۲۰ لہٰذا جو کمال اصل کو حاصل ہوتا ہے۔ وہی کمال فرع کو حاصل ہوا ہے۔ چونکہ روح
۲۱ احمدی ﷺ کو مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔ اور جسم احمدی ﷺ کو مجاہدہ (بار امانت اٹھانے) کی

فضیلت حاصل ہے،لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے شرف اور فضیلت کے طلبگار ہیں۔روح پہل کر کے قالب میں اتر آئی اور لذت مجاہدہ کی حامل ہوگئی،لیکن جسم کی مراد مشاہدہ ہے جس کا مقام قوس اول ہے۔لہٰذا جسم قوس اول تک کیسے جاسکتا ہے۔اور دولت مشاہدہ کیسے حاصل کرسکتا ہے۔اس کار عظیم کو حضور ﷺ نے انجام دے کر پوری نوع انسانی کا فرض ادا کردیا۔اس ضمن میں پوری کائنات نے ہر جہت کے لحاظ سے اپنی تکمیل کر کے معراج کو پالیا۔شب معراج کائنات کا نصف النہار تھا۔

سوال:۔کائنات کے نصف النہار سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔کائنات کے نصف النہار سے مراد ہے کہ جس طرح دوپہر کے وقت سورج سب سے اونچے ایسے بلند مقام پر ہوتا ہے،جس کے بعد اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے،اسی طرح شب معراج کائنات کا نصف النہار ہے۔چونکہ دن میں نصف النہار ایک بار ہوتا ہے ،لہٰذا معراج دور بشریت میں بھی صرف ایک بار ہوا ہے۔نیز نصف النہار دوسرے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں،کہ نصف النہار ایک خط ہے جو کائنات کی ہر جہت کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دینے والا ہے۔جس میں مندرجہ ذیل امور کا طے ہونا ممکن ہے۔

۱:۔شب معراج کائنات کی زندگی کا وسط ہو۔(مگر ایسا نہیں ہے)

۲:۔شب معراج بنی نوع انسان کی زندگی کا وسط ہو۔(مگر ایسا نہیں ہے)

۳:۔شب معراج دور رسالت کے ۲۳ سالہ دور کا عین وسط ہو۔

اگر تحقیق سے معراج کا وقت دور رسالت کا وسط ثابت ہو جائے تو کائنات کی دوسری جہتوں پر تحقیق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

سوال:۔انسانیت کی تشریح کے دوران کیا کیا باتیں واضح ہوئیں؟

جواب:۔مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱:۔انسانیت ایک حقیقت اور آدمیت اس حقیقت کا لباس ہے۔

۲:۔حضور اکرم ﷺ کی معراج جسم عنصری کے ساتھ ہے۔جس طرح حضرت آدم علیہ السلام راستہ مراد ہیں اسی طرح الف سے مراد حضور ﷺ بھی راستہ ہیں اور امام ربانی تحریر فرماتے ہیں:۔

اور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والتسلیمات کا رجوع حقیقت الف کی طرح ہے۔

(مکتوب نمبر ۳۱۱ دفتر حصہ پنجم صف ۲۱۵۔۸۹۷)

۳:۔معراج کی حقیقت معرفت کو کمال کی انتہا تک پہنچانے کا نام ہے۔

۴:۔معراج کائنات کی تکمیل کا باعث ہے۔

۵:۔حضور اکرم ﷺ نے اس جسمانی آنکھ سے ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا۔

۶:۔معراج سے پوری بنی نوع انسان کے سفر کے فرض کی ادائیگی کر کے بنی نوع انسان کو اس مشکل سے آزاد فرما دیا۔

۷:۔سب سے اہم یہ بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے معرفت کے حق کو اس طرح ادا کر دیا ۔جس طرح حق ادا ہونا چاہیے تھا۔اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ بطور تواضع اور انکساری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جیسے حق ہے ویسا ادا نہیں کر سکے اور یہ تواضع اور انکسار کی ہی محکم دلیل ہے۔

۸:۔عالم بشریت میں معراج ایک بار ہوئی اس لئے کہ نصف النہار کو روح کی حیثیت حاصل ہے۔جس سے روح کو باری تعالیٰ کا دائمی مشاہدہ حاصل ہے۔

۹:۔معرفت وہ کمال ہے کہ جس کو زوال نہیں اس کمال کو دوام بھی حضور ﷺ نے بخشا ہے۔ اس لئے کہ معرفت دینے والی ذات استعداد کو پہچاننے کے بعد کمال عطا کرتی ہے،اگر زوال تسلیم کر لیا جائے تو پہچاننے والے کا سقم تسلیم کرنا ہوگا جو ناممکن ہے۔

الا الذین امنو و عملو الصالحات فلھم اجر غیر ممنون

پہلی دو آیات میں انسان کی تخلیق کی تشریح کے دوران درج ذیل حقائق واضح ہو چکے ہیں

ا:۔ان آیات میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ۱

۲:۔حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش عالم اعلیٰ میں ہوئی اور وہیں قیام رہا۔ ۲

۳:۔پھر عالم اعلیٰ سے اتر کر زمین پر تشریف لائے۔ ۳

۴:۔حضرت آدم علیہ السلام ہی کی ذات وہ راستہ ہے، کہ جس راستہ سے بنی نوع انسان ۴

کی آمد کا سلسلہ جاری ہوا، اور اولاد آدم عالم بالا سے اتر کر اس راستہ سے زمین پر آ رہی ہے ۵

۵:بنی نوع انسان کی تخلیق کے دو رخوں میں سے نزولی رخ کی انتہا پیدائش پر ہو جاتی ہے ۶

،اور پیدائش کے بعد صعودی رخ کی طرف سفر کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ ۷

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اس آیت میں درج ذیل حقائق واضح ہوتے ہیں۔ ۸

ا:۔آیت میں بنی نوع انسان کی زندگی کا صعودی یعنی واپسی کے سفر کا ذکر ہے۔ ۹

۲:۔واپسی کے سفر میں بنی نوع انسان کے کردار اور اس پر مبنی اجر کی وضاحت کا ذکر ہے۔ ۱۰

۳:۔انسان اور بنی نوع انسان میں واضح فرق دکھایا گیا ہے۔ ۱۱

الا الذین امنو عملو الصالحات فلهم اجر غیر ممنون ۱۲

ترجمہ:۔مندرجہ بالا آیات مبارکہ کا تعلق بنی آدم کی پیدائش سے (زندگی) سے موت تک ۱۳

کے دور سے ہے، یہ بنی آدم کی زندگی کا صعودی دور ہے۔ ۱۴

چونکہ تخلیق کے دو رخ ہیں، نزولی اور صعودی (حیات۔موت) ۱۵

ا:۔نزولی رخ:۔جس طرح انسان کے نزولی سفر کے لیے والدہ کا بطن آخری حد ہے۔ ۱۶

۲:۔صعودی رخ:۔اسی طرح انسان کے صعودی سفر کے لیے زمین کا بطن آخری حد ہے ۱۷

<u>نزولی رخ</u> ۱۸

لقد خلقنا الا نسان فی احسن تقویم ثم رددنه اسفل سافلین ۱۹

ترجمہ:۔مندرجہ بالا دو آیات میں انسان کی تخلیق کے نزولی رخ (سفر) کو بیان کیا گیا۔ ۲۰

جس میں انسان کی پیدائش کے سفر کرنے کا حال بیان ہے۔جو ثم رددنہ کی تشریح میں بیان ۲۱

کیا جا چکا ہے۔

صعودی رخ

الا الذین امنو وعملو الصاحات فلھم اجر غیر ممنون

اس آیت میں انسان کے صعودی رخ کے سفر کا بیان ہے، جو تشریح طلب ہے۔

تشریح

امنو: ایک عمل ہے، جس کا تعلق زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا ہے، گویا ایک عہد ہے۔

عمل الصالحات: بھی ایک عمل ہے، دونوں اجزاء مل کر انسان کا کردار کہلاتا ہے، جو ایمان کی عملی صورت ہے۔

کردار

کردار کے دو رخ ہیں۔ اعلیٰ اور اسفل۔

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، کہ اسفل اور اعلیٰ کے بھی دو رخ ہیں۔

اسفل کے دو رخ ہیں، بحیثیت مقام اور بحیثیت کردار

اعلیٰ کے دو رخ ہیں، بحیثیت مقام اور بحیثیت کردار

انسان کی تخلیق وولادت تخلیق کا نزولی رخ ہے اور نزولی رخ کے سفر اور مقامات کا ذکر تھا۔

صعودی رخ میں انسان کے کردار کا ذکر ہے اور کردار کو ہی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان کو اعلیٰ اور اسفل مقامات کا وارث ٹھہرایا گیا ہے۔

صعودی رخ

تخلیق کے دوسرے رخ کے دو جز ہیں:

جز اول

جز دوم

جس طرح والدہ کے بطن (رحم) میں انسان کی شکل وصورت اس دنیا کے لیے بنائی جاتی ہے۔اسی طرح زمین کے بطن (قبر) میں انسان کی شکل وصورت آخری دنیا کے لیے بنائی جاتی ہے۔

جزاول

بنی نوع انسان کی زندگی کے سفر کا وہ حصہ ہے، جو پیدائش سے موت تک کے درمیان ہے ۔یہ وہ حصہ ہے جوانسان کی زندگی کا مقصود ہے بلکہ پوری کائنات کی حیات کا حاصل ہے انسان جب سفر کرتے ہوئے گزرتا ہے تو اس کیلئے کائنات کو پوری طرح سجادیا جاتا ہے۔ پھر انسان کو آزاد چھوڑ دیا گیا تا کہ وہ جہاں چاہے جائے نیز اس کی رہنمائی کیلئے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

ا:۔رہنما (نمونہ رودار)

۲:۔لائحہ عمل (ضابطہ حیات)

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے زمین پر کوئی انسان موجود نہیں تھا۔جب حضرت آدم علیہ السلام عالم بالا سے اس دنیا میں تشریف لائے پھر آپ علیہ السلام کے گھر اولاد پیدا ہوئی، جو بنی نوع انسان کہلائی۔اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی درج ذیل حیثیتیں تھیں۔

ا:۔بحیثیت والد

بنی نوع انسان کے والد ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی اولاد کے درمیان موجود تھے۔

۲:۔بحیثیت پیغمبر

بحیثیت پیغمبر ایک نمونہ ہیں، جو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے ذمہ دار تھے۔اوران میں موجود تھے۔

بحیثیت خلیفہ:(انی جاعل فی الارض خلیفه)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا تھا یہاں قابل توجہ بات یہ ہے، کہ

خلافت کا اصول ہے کہ خلافت ہمیشہ ہم نوع اور ہم جنس کو دی جاتی ہے۔لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق ہے،اور حضرت آدم علیہ السلام مخلوق۔

اللہ تعالیٰ معبود ہے،اور حضرت آدم علیہ السلام کیا ہیں؟

غالباً اسی لیے حضورعلیہ ﷺ نے فرمایا۔"انا اللہ خلق اللہ آدم علی صورتہ" حضرت آدم علیہ السلام وہ مرکز دعوت ہیں،جن کو عالم بالا میں فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا تاکہ اپنی اولاد کو وہ انداز زندگی کی تربیت دے سکیں۔اور اپنی اولاد کو وہ طریقہ وہ راستہ یا وہ دین بتایا جس کو بنی نوع انسان اختیار کرے۔۔۔ وہ عالم اعلیٰ کی طرف چلا جائے۔اور اس دعوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور سرکار دو عالم ﷺ تک انبیاء کرام کے ذریعے طے پاتا رہا اور اس کے بعد علماء راسخین کے ذریعہ طے پاتا رہا ہے۔بنی نوع انسان سے کچھ لوگوں نے دین حق کا راستہ اختیار کیا کچھ نے اختیار نہ کیا،جس سے بنی نوع انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔جن کو الگ الگ ناموں سے پکارا گیا جو مندرجہ ذیل ہیں۔

مومنون

مومنون ایسے لوگ ہیں،جنہوں نے پیغمبروں کی بات مان لی یعنی اس راہ پر چلے جن پر پیغمبر چل رہے ہیں۔

کافرون

کافرون ایسے لوگ ہیں،جنہوں نے پیغمبروں کی بات نہ مانی اور اس راستہ پر نہ چلے جس کی ان کو دعوت دی گئی۔

۱۔ چونکہ مومنون اس راستہ پر چل رہے ہیں،جو مقام اعلیٰ تک پہنچانے والا ہے،لہذا اس راستہ پر چلنے والا اعلیٰ کردار والا ہے۔

۲:۔پیغمبروں کے راستہ پر نہ چلنے والے ایسے راستہ پر چل رہے ہیں، جو ان کو مقام اسفل کی طرف لے جانے والا ہے، لہٰذا ان کے کردار کو اسفل کردار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اعلیٰ کردار

کردار کا وہ رخ ہے، جس میں ایمان لانا اور اچھے اعمال کرنا ہے۔

انسان کی پیدائش سے موت تک کے دور کا کردار ہی بنیاد ہے، جس بنیاد پر انسان کو مقام اعلیٰ کا وارث بنایا گیا ہے۔

جس طرح صعودی رخ کے دو جز ہیں اور اس طرح کردار کے دو جز ہیں، عقیدہ اور عمل۔

1:۔عقیدہ

الا الذین آمنو وہ لوگ جو ایمان لائے (یہ عقیدہ ہے)

2:۔عمل

و عملو الصالحات اور ان لوگوں نے اچھے عمل کئے (یہ عمل ہے)

ذات

ایمان کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، جو اس کی ذات کے اندر درج ہو جاتا ہے، اور وہ انسان سے جدا نہیں ہوتا خواہ انسان زندہ ہو یا مردہ، جس کی شہادت یہ آیت ہے۔(واولئک کتب فی قلوبھم الایمان) ''ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا گیا''۔

(سورہ المجادلہ 52 آیت نمبر ۲۲)

حیات

عمل کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے، جس لحہ زندگی قطع ہو گئی عمل بھی اسی لحہ منقطع ہو گئے لیکن ایمان والے حضرات کا اجر قطعہ نہیں ہوتا۔اسی طرح ملتا رہتا ہے جیسے وہ زندگی میں عمل کرتا تھا۔

مثال

ایمان روشن آنکھ کی مثل ہے اور اعمال صالح سرمہ کی مثل ہیں جس سے بینائی کو توانائی ملتی ہے۔

فلھم اجر غیر ممنون

"پس ان لوگوں کے لئے نہ قطع ہونے والا اجر ہے"

اجر کا معنی معاوضہ یا اجرت جو کسی فرد کے کام کرنے کے بدلے دی جاتی ہے۔

جیسے کوئی آدمی فوج میں ملازم ہو جاتا ہے تو اس کو ہر ماہ کی تنخواہ ملتی ہے، یہ اس کی اجرت یا اجر ہے، چونکہ اجر کے دو رخ ہیں،

i:۔ غیر ممنون ii:۔ ممنون

غیر ممنون

اجر غیر ممنون وہ اجر ہے، جو انسان کو موت آنے کے باوجود قطع نہیں ہوتا بلکہ اسی طرح جاری رہتا ہے، جیسے زندگی میں عمل کرنے سے حاصل ہوتا تھا، جیسے کہ صدقہ جاریہ۔

ممنون

اجر ممنون وہ اجر ہے جو حیات کے قطع ہو جانے پر قطع ہو جاتا ہے۔

وضاحت

اجر غیر ممنون

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فوج میں ملازم ہو اور مدت ملازمت میں تنخواہ تو ہر ماہ لیا کرتا تھا لیکن جب ملازمت ختم ہو گئی تو اس کو ہر ماہ پنشن ملا کرتی ہے، حالانکہ وہ کام نہیں کرتا، لہذا اعلیٰ کردار والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسا اجر رکھا ہے، جو ان کی موت کے بعد بھی ان کو ملتا رہتا ہے، ملازم اگر سپاہی تھا تو سپاہی کی تنخواہ کے حساب سے پنشن اور اگر وہ فیلڈ مارشل تھا تو اسی عہدہ کے لحاظ سے پنشن ملے گی۔

سوال:۔ آدم علیہ السلام اور بنی آدم میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ آدم علیہ السلام اور بنی آدم میں بہت بڑا واضح فرق موجود ہے جو مندرجہ ذیل حقائق سے معلوم ہو جاتا ہے۔

(الف) آدم علیہ السلام:

ا:۔ انسان منبع کائنات ہے جس کی تفصیل "سورہ نجم" کی تفسیر و تشریح کے دوران بیان ہوگی، اور آدم علیہ السلام خلاصہ کائنات ہیں، جس کی تفصیل نیچے درج ہے۔

۲:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عالم اعلیٰ میں پیدا کرنے کے بعد بغیر کسی عمل کے محض اپنے فضل سے اپنی معرفت عطا کی۔

۳:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے جمال کا مشاہدہ کرایا۔

۴:۔ پوری کائنات عالم اعلیٰ اور عالمِ اسفل کی تفصیل بتائی اور اس کا مشاہدہ کرایا۔

۵:۔ مندرجہ بالا انعامات کا حامل بنانے کے بعد اپنا نائب مقرر کیا۔ نائب مقرر کرتے وقت تمام موجود انواع کائنات کو اپنے دربار میں بلایا اور ان کے اوپر نائب مقرر کیا۔ پھر نائب کی عزت و توقیر کیلئے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ جس نے عزت نہ کی اسے اپنے دربار سے نکال دیا۔

۶:۔ اپنے انعامات کو متعارف اور تقسیم کرانے کے لئے ایک ضابطہ حیات مقرر کیا اور آدم علیہ السلام کو اس کا مرکز بنا دیا۔ اس پر ایمان لانا بنی آدم کیلئے لازم ہے۔ چونکہ خلافت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا تھا۔ اس لئے اسکو اپنی طرح مسجود بھی بنایا۔ تاکہ خلافت کے تقاضے پورے ہو جائیں۔

(ب) بنی آدم:

ا:۔ بنی آدم خلاصۂ کائنات کا خلاصہ ہے۔

۲:۔ بنی آدم کو عالم اسفل میں پیدا کیا گیا ہے۔

۳:۔ بنی آدم کو انعامات اور مشاہدات پر ایمان بالغیب کا پابند بنایا اور بنی آدم کیلئے

''آدم'' پر ایمان لانا لازم ہے۔

۴:۔ان انعامات اور مشاہدات کے حصول کے لئے ضابطہ حیات پر کاربند رہنے پر بنی آدم کو مکلف کیا گیا۔

۵:۔ضابطہ حیات کو اجر وثواب کیلئے بنیاد قرار دیا۔

۶:۔آدم علیہ السلام کو نمونہ اور معیار قرار دے کر بنی آدم کو واضح کیا کہ اس نمونہ کی صورت بنائے بغیر انعامات کا حصول محال ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ازل سے انعام یافتہ ہیں جبکہ بنی آدم کو انعامات کے حصول کیلئے ضابطہ حیات پر عمل کرنا لازم ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق کیلئے

استنباط:

سورہ والتین میں آدم علیہ السلام کی تخلیق میں صرف ایک انسان کا ذکر موجود ہے لیکن کردار کے لحاظ سے دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔اور اجر کے ملنے کے لئے بھی دونوں کردار ہی مستحق قرار دیئے گئے۔پہلے انسان تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ان کا ذکر نہ کردار میں نہ اجر میں ہے۔

تو معلوم ہوا حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مقام پر فائز ہیں، جو باعث ایمان ہیں اور بنی نوع انسان سے ہر لحاظ سے جدا ہیں، بلند اور ارفع ہیں اور ازل سے اپنی فطرت میں دوسری بنی آدم سے الگ ہیں، وہ سب کے سب مظہر ذات حق ہیں۔

پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کردار اور اجر وثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، جس نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا، اس کی تصدیق اگلی آیت میں یوں موجود ہے:۔

فما یکذبک بعد بالدین. الیس اللہ با حکم الحاکمین

جس کا ذکر تفسیر مظہری میں ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ مجددیؒ نے مندرجہ بالا آیت کے معنی اور مفہوم یوں قلمبند کئے ہیں۔

ا:۔اے انسان کیا باعث ہے کہ تو تکذیب جزا کر رہا ہے؟

آیت میں کلام کا رخ موڑ کر (اللہ تعالیٰ) نے مخاطب کیا اور فرمایا کہ

۲:۔کس چیز نے تجھے کاذب بنایا ہے؟ کہ برخلاف حق حشر نشر اور جزا کا منکر ہے۔

باوجود یہ کہ تیرے اندر خود ایسی دلیلیں موجود ہیں، کہ اللہ تعالیٰ جس نے تجھے پیدا کیا ،طاقتور بنایا پھر کمزور کیا اور مردہ بنا دیا، وہی ذات باری تعالیٰ اے انسان تجھے زندہ کرنے اور کئے کرائے کی سزا جزا دینے پر قادر ہے۔

لفظ (ما) کے مفہوم درج ذیل ہیں۔

ا:۔پہلی صورت میں لفظ ''ما'' بطور استفہام ہوگا، تو مفہوم زجر اور انکار کیلئے ہوگا، یعنی تجھے جزا و سزا کی تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔

۲:۔یا اللہ تعالیٰ کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے، (ما) نفی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے آیا ہے، اگر نفی کے لئے ہوگا، تو مطلب یہ ہوگا کہ کوئی چیز تم کو جھٹلانے والی ہے، اگر استفہام کے لئے ہوگا تو یہ مطلب ہوگا کہ کوئی چیز تمہاری دروغ گوئی پر دلالت کر رہی ہے یعنی جب تمہاری سچائی پر کھلی دلیلیں موجود ہیں، تو کون سی چیز تمہارے قول و خبر کو جھوٹا قرار دے سکتی ہے۔

(معنوی لحاظ سے) اس آیت کی نظیر آیت (قل ھاتو برھالکم ان کنتم صادقین) ہے۔

(نوٹ):۔بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں ''ما'' بمعنی من کے ہے اور استفہام کے لئے یعنی تمہاری سچائی ان کی شہادتوں کے بعد کون شخص تم کو جھوٹا کہہ سکتا ہے۔

۱ <u>مندرجہ بالا تفسیر مظہری سے مؤلف جیبی درج ذیل امور اخذ کرتا ہے:</u>

۲ لفظ "ما" بطور استفہامیہ ہے اور "یکذب" میں داخلی اور خارجی دونوں رخ شامل ہیں۔

۳ اور "ک" سے مراد حضور ﷺ ہیں، اور آپ ﷺ کے سوا کوئی دیگر نہیں ہے۔

۴ جو قرآن کریم کی فصاحت کے عین مطابق ہے لہٰذا واضح ہوا کہ سورہ والتین میں انسان کے

۵ تین رخ بیان کئے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔ (i) آدم علیہ السلام (ii) بنی

۶ آدم (iii) حضور ﷺ جن کے بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے

۷ جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے۔

۸ ۱:۔اصل انسان ۲:۔ظلی انسان ۳:۔بنی نوع انسان، جو ظل کا ظل ہے۔

۹ (از مکتوبات ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوب 30 دفتر سوم)

۱۰ مندرجہ بالا انسان کے تین رخوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۱ <u>۱:۔اصل انسان</u>

۱۲ اصل انسان سے مراد وہ انسان ہے جو "احسن تقویم" ہے اور مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات

۱۳ ہے، نیز حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے دو دور ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۴ i:۔دور نجم ii:۔دور عبد

۱۵ وضاحت:

۱۶ <u>(i) دور نجم</u>

۱۷ دور نجم سے مراد حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ ہے، جب بصورت نجم ظہور فرمایا، اس

۱۸ وقت سے لے کر کائنات کی تخلیق تک کے زمانہ پر محیط ہے، جس دور میں نور نبی تن تنہا سیر کرتا

۱۹ رہا اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کرنا چاہا۔

۲۰ (حدیث کا مفہوم)

۲۱

١ (ii) دورِ عبد

٢ دورِ عبد سے مراد حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ ہے، جب بصورت عبد ظہور پایا، یعنی
٣ کائنات کی تخلیق سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے زمانہ تک محیط ہے۔

٤ ۲:۔ ظلی انسان

٥ ظلی انسان سے مراد وہ انسان ہے جو ''فی احسن تقویم'' ہے اور ''فی احسن تقویم'' سے مراد
٦ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے، جو بغیر والدین پیدا کئے گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام
٧ کی زندگی حضور اکرم ﷺ کی دورِ عبد کی زندگی کی قائمقام ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی
٨ زندگی کے بھی درج ذیل دو دور ہیں۔

٩ ۱:۔ دورِ عالم اعلیٰ ۲:۔ دورِ عالم اسفل

١٠ (i) دورِ عالم اعلیٰ

١١ عالم اعلیٰ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کا وہ حصہ ہے جو عالم بالا میں گزرا۔ وہ
١٢ حضور اکرم ﷺ کے دورِ نجم کا قائمقام ہے۔

١٣ (ii) دورِ اسفل

١٤ دورِ اسفل سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کا وہ حصہ ہے، جو عالم اسفل میں گزار
١٥ ، اور وہ دور حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے دورِ عبد کا قائمقام ہے۔

١٦ ۳:۔ بنی آدم

١٧ بنی آدم سے مراد وہ انسان ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے سانچہ میں بنایا گیا
١٨ ، جس کی زندگی حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں اسفل کی زندگی کا مظہر ہے۔ بنی آدم
١٩ الا الذین امنو و عمل الصالحات کی تفسیر ہے، اس کی زندگی کا ایک دور ہے،
٢٠ جو درج ذیل ہے۔

٢١ (استفسارات در سرار حبیب ص 56,57)

ا
دورارض

۲ بنی نوع انسان کی بشری زندگی سے مراد وہ زندگی ہے، جو پیدائش سے لے کر موت تک
۳ کے زمانہ پر محیط ہے، اور یہ ایسی زندگی ہے جو آخرت کی زندگی کی بنیاد ہے، یہ ایسی جامع
۴ زندگی ہے جس میں تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شامل ہیں، جس بنا پر حضور اکرم ﷺ
۵ کو اللہ تعالیٰ نے قل انما انا بشر مثلکم (اے محبوب بنی نوع انسان کو کہہ دیجئے
۶ کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں) لیکن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ایکم مثلی تم میں
۷ سے میری مثل کون ہے؟

۸ نوٹ:۔ بنی آدم کی زندگی کے بھی دو ہی دور ہیں۔ پہلا دور والدہ کے بطن میں زندگی گزارتا
۹ ہے اور دوسرا کرہ ارض پر زندگی گزارتا ہے، فرق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پہلا
۱۰ دور عالم بالا میں گزارا اور دوسرا کرہ ارض پر گزارا، بنی آدم کی بطن کی زندگی عالم بالا کی
۱۱ قائمقام ہونے کے باوجود کرہ ارض کی زندگی شمار کی گئی ہے، وہ اس لئے کہ والدہ نے کرہ
۱۲ ارض پر ہی زندگی گزار دی ہے۔

۱۳ مندرجہ بالا عبارت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود اور
۱۴ زندگی اصل انسان اور بنی نوع انسان دونوں کی جامع ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۵
حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی جامعیت کی تفصیل

۱۶ ا:۔ حضور احمد ﷺ کا وجود احسنِ تقویم ہے۔

۱۷ ۲:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود فی احسن تقویم یعنی حضور اکرم ﷺ کے سانچہ میں بنایا
۱۸ گیا۔

۱۹ ۳:۔ بنی نوع انسان کا وجود فی، فی احسن تقویم حضرت آدم علیہ السلام کے سانچہ میں بنایا
۲۰ گیا۔

۲۱
حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کی جامعیت کی تفصیل:

حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کے ادوار کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل درج ہے۔

دور عالم اعلیٰ

حضور اکرم ﷺ کے دور مجمل کا مظہر ہے، اور بنی نوع انسان کی آخرت کی زندگی کا قائم مقام ہے۔

دور عالم ارض

بنی آدم کی دور ارض کی بشری زندگی کے پیشرو حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جب حضرت آدم علیہ السلام کے عالم ارض کے دور پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو حضور اکرم ﷺ کی دور عبد کی زندگی کے مظہر بھی ہیں، انہوں نے اپنی زندگی کا ایک دور عالم اعلیٰ میں گزارا ہے، جس کے دوران حضرت آدم علیہ السلام نے جمال الٰہی کا مشاہدہ کیا، فرشتوں اور جنات کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے خلافت پائی، فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، جنت میں قیام کیا، سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام نے بحثیت آدم حالت بیداری میں مشاہدہ کیا، خواب میں نہیں کیا، ہوش و حواس کے ساتھ اور اس پر قران حکیم شاہد ہے، پھر کونسا امر مانع ہے، کہ حضور اکرم ﷺ اپنے دور عبد میں عالم دنیا اور عالم آخرت کو آدم علیہ السلام کی طرح نہ دیکھ سکتے ہوں، یہ بات جب حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں ثابت ہے تو حضور اکرم ﷺ کے حق میں اور زیادہ ثابت ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور حضور اکرم ﷺ اس عالم ارضی میں ہوتے ہوئے عالم اعلیٰ اور عالم آخرت کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح عالم ارض میں بنی نوع انسان اپنی چیزوں کو دیکھتا ہے، جو اسکے لئے مخصوص ہیں اور اس کی زندگی صرف ایک مختصر وقت تک محدود ہے

مفہوم

مندرجہ بالا عبارت میں اصل انسان نیز ظلی انسان اور بنی آدم کے تین درجات بیان کئے گئے ہیں، ان کی وضاحت بھی کی گئی ہے اس کا آسان لفظوں میں مفہوم یوں ہے۔

تین انسانوں کے تمام رخ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ایک جیسے نظر آتے ہیں، لیکن باطن میں ان میں فرق عظیم ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اصل انسان بیج کی مانند ہے اور کائنات کا درخت اس بیج سے پیدا ہونیوالا ہے، اور وہ انسان کی اول صورت پر ہے اور آدم علیہ السلام کائنات کی صورت پر ہیں، جو اس درخت کا پھل ہیں اور بنی آدم اس پھل کی پیداوار ہے، یعنی آدم علیہ السلام کی صورت ہیں۔

<u>فما یکذبک بعد بالدین۔ الیس اللہ باحکم الحاکمین</u>

مندرجہ بالا آیت میں ''ما'' بطور استفہامیہ ہے یکذب کے ظاہر و باطن دونوں شامل ہیں اور حرف ''ک'' سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں۔

<u>فما یکذبک کا باطنی رخ</u>

اے محبوب ﷺ! آپ اپنی آنکھوں سے بنی نوع انسان کے اعمال اور ثواب کو عملاً مشاہدہ کرتے ہیں، بلکہ خود تقسیم کرنے والے ہیں اس کے باوجود کیا آپ ﷺ اس راز کو اپنی انکساری اور تواضع کی وجہ سے چھپا رہے ہیں؟

<u>فما یکذب کا ظاہری رخ</u>

یا آپ ﷺ اس اندیشہ سے ظاہر نہیں کر رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل مکہ ان انکشافات کا انکار کر کے باعث خسارہ ہو جائیں جو آپ کو ہرگز پسند نہیں، جس میں نئے نئے اسلام قبول کرنے والے لوگ بھی کافروں کے علاوہ شامل ہیں۔

اے محبوب ﷺ آپ ذرا بتا تو دیجیئے کہ کیا آپ ﷺ کا اللہ آپ ﷺ کے ساتھ نہیں؟ یقیناً میں (اللہ) آپ ﷺ کے ساتھ ہوں آپ ﷺ بلا خوف وخطر یہ اعلان فرما دیں، کہ اے بنی

نوع انسان! میں تمہارے اعمال واجر وثواب پر شاہد ہوں اور خود تقسیم کرنے والا ہوں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

بلی وانا علی ذلک من الشاھدین

''ہاں اور میں مشاہدہ کرنے والی جماعت میں سے ایک ہوں'' اس جملہ کو حضور اکرم ﷺ نے سورہ والتین کے اختتام پر پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے، یعنی اے محبوب ﷺ وہ کونسی بات کا اندیشہ ہے جو آپ کو راز چھپانے (یکذبک) پر مجبور کر رہی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ اجرو ثواب (دین) کو خود عملاً مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس موقعہ پر بھی صرف ایک انسان یعنی حضور اکرم ﷺ کو ہی مخاطب کیا گیا ہے، تخلیق کے عرصہ میں بھی صرف ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام ہی کا ذکر موجود ہے۔ ''رددنہ'' میں بھی ایک ہی انسان کا ذکر ہے لیکن ایمان لانے اور اچھے عمل کرنے میں پوری بنی نوع انسان شامل ہے۔

انبیاء کرام اس سے ورا ہیں، جس سے تصدیق ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پوری بنی نوع انسان سے بلند اور ارفع ہیں

اللھم اتمم لنا نورنا

گذشتہ صفحات میں سورۃ والتین کی تشریح میں انسان کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ انسان تین طرح پر ہیں۔

1:۔حضور سیدنا احمد ﷺ 2:۔آدم علیہ السلام 3:۔بنی آدم

اور وہ انسان جو عالم ارض میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، وہ اپنے پروردگار کے روبرو پیش ہو کر اپنا مدعا بارگاہ رب العزت میں سورت فاتحہ کی صورت میں پیش کرتا ہے، جب انسان اپنا مدعا سنا لیتا ہے، تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہو کر اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ انسان کا کلام ہے، اور انسان سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں، قرآن کلام الٰہی ہے اور انسان اور

اللہ تعالیٰ آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں۔

لہذا اسی ترتیب سے پہلے انسان کا کلام یعنی سورہ فاتحہ کا مفہوم نیچے درج کیا جاتا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا کلام درج کیا جائیگا۔سورہ فاتحہ کا مفہوم درج ذیل ہے۔

۱:اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

۲:سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جو مالک سارے جہاں والوں کا

۳:بہت مہربان رحمت والا

۴:روزِ جزا کا مالک

۵:ہم تجھ ہی کو پوجیں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں

۶:ہم کو سیدھا راستہ پر چلا

۷:راستہ ان کا جن پر تو نے احسان (انعام) کیا، نہ کہ ان کا راستہ جن پر غضب ہوا، اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

(ترجمہ:۔کنز الایمان مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ)

مندرجہ بالا سات جملے انسان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دیے۔لیکن صورت حال یہ ہے کہ انسان جو روح اور جسم کا جامع ہے۔روح کا اصلی مقام عالم اعلیٰ ہے۔اور جسم کا اصلی گھر عالم اسفل ہے۔روح اپنے اصلی گھر جانا چاہتی ہے۔اور جسم اپنے گھر کی طرف رغبت رکھتا ہے۔لیکن انسان کو عالم اعلیٰ کی طرف جانا ہے۔تو انسان کو عالم اعلیٰ کی طرف جانے کے لئے مندرجہ ذیل سہولتیں میسر ہوں تو وہ عالم اعلیٰ میں جا سکتا ہے۔

۱:کرہ ارض سے کسی زینہ کے ذریعے عالم بالا کی طرف اوپر چڑھ جائے۔

۲:۔انسان کو ایسے بازو پر مل جائیں کہ اڑنت لے کر اڑتے اڑتے عالم بالا میں چلا جائے

۳:۔یا پھر عالم بالا سے کوئی رسی یا کمند نیچے اتر آئے۔اور انسان کو اچک کر اوپر لے جائے

مندرجہ بالا سہولتوں میں سے کوئی بھی سہولت انسان کو میسر نہیں اس لیے عالم بے بسی میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے۔ تا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے اس کی عرضداشت کے جواب میں اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہو کر اس عرضداشت کا جواب دیتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں "اقرا باسم ربک الذی خلق" جواب دیا گیا۔ لیکن عام انسان کے لئے حضور اکرم ﷺ نے قران مجید کی جو ترتیب دی اس کے مطابق جواب کا آغاز "الم" سے کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے اور جواب حروف مقطعات کی صورت میں ہے۔

الم

ا: الف: الف سے مراد صراطِ مستقیم ہے۔

ل: لام: لام سے مراد رابطہ ہے۔

م: میم: میم سے مراد حقیقت محمدی ﷺ ہے۔

م: میم: میم ثانی سے مراد ذات محمدی ﷺ ہے۔

الف سے مراد راستہ ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف

ہر راستہ دو مقامات کو آپس میں ملانے والا ہوتا ہے، اور الف سے مراد وہ سیدھا راستہ ہے ، جو عالم اسفل کو عالم اعلیٰ سے ملانے والا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کو عالم اعلیٰ سے اسفل کی طرف بھیجا گیا تو جسم کے اندر عالم اعلیٰ کی تخلوق روح بھی اس کے ساتھ نیچے آ گئی، روح اپنے اصل کی طرف جانا چاہتی ہے اور جسم اپنے اصل کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ لہذا روح صعود کر کے اوپر چلی جاتی ہے۔ جس راستہ سے روح صعود کر کے اوپر جاتی ہے۔ اس راستہ کے نچلے کنارہ پر یعنی پستی پر مخفف حروف میں یعنی حروف مقطعات میں لکھا ہوا ہے۔

الم: یعنی یہ سڑک شارع عظیم بلندی کیطرف جاتی ہے۔

جو دارِ محمد ﷺ سے حقیقت محمدی ﷺ تک پہنچانے والی ہے۔ چونکہ راستہ کی ابتداء جو عالم اعلیٰ

میں وہاں مخفف حروف میں آدم (آ۔د۔م) لکھا ہوا ہے۔ یعنی سڑک (شارع عظیم) عالم اسفل کی طرف جاتی ہے۔ جس کی تفصیل فی احسن تقویم کی شرح میں بیان ہو چکی ہے۔

الم: کی دیگر تاویلات درج ذیل ہے۔

الف۔ الف بہت سی جہتوں کا جامع ہے۔ جن کی تفصیل درج ہے۔

۱:۔ الف سے مراد اللہ ہے

۲:۔ الف سے مراد احد ہے (ایک)

۳:۔ الف سے مراد صراط مستقیم ہے جو نزول وصعود کے لئے جامع ہے

۴:۔ الف سے مراد تدلی ہے

۵:۔ الف سے مراد محور کائنات

۶:۔ الف سے مراد قائم ہونا

۷:۔ الف سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہے

۸:۔ الف سے مراد حضور اکرم ﷺ کا وجود ہے

۹:۔ الف سے مراد جوہر ہے اور ب سے مراد عرض ہے

(زیر نظر کتاب میں تدلی کی تشریح میں الف کے آٹھ بیان ہو چکے ہیں)

یہاں الف سے مراد صراطِ مستقیم ہے اور صراط مستقیم سے مراد حضور اکرم ﷺ کا وجود ہے ، وہ خوش نصیب ہے، جو حضور اکرم ﷺ کو اپنائے ہوئے ذات محمدی ﷺ کے راستہ سے حقیقت محمدی ﷺ تک رسوخ حاصل کر کے حقیقت حقہ یعنی ذات باری تعالیٰ کو پالینا ہے، اور ذات رسول ﷺ کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب (گائیڈ بک) قران حکیم ہے۔

الف

الف اتنا جامع ہے، کہ اہل معرفت کے لئے اسرار کا خزانہ ہے، جولوگ حقیقت سے آگاہ ہیں اور اسکے اجمال میں خوش ہیں، تفصیل اوروں کا حصہ ہے۔

لام

لام (ل) سے مراد رابطہ ہے، یہ ایک لطیف نکتہ ہے، اس لئے کہ حرف (ل) اضافت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے (لک۔ لنا۔ لکم۔لی ۔ لھم ۔ لہ) وغیرہ وغیرہ اور حق مالکیت کا اظہار کرتا ہے، یہ صرف رابطہ کی جگہ کیسے استعمال ہوسکتا ہے، اس مشکل کا حل درج ذیل ہے۔

گزشتہ صفحات میں زیر عنوان حقیقت محمدیہ ﷺ میں بیان ہو چکا ہے، کہ سورت "ن والقلم" میں حرف "ن" کے مندرجہ ذیل دو جز ہیں، حرف ن = قوس + نقطہ = ں + .

قوس اور نقطہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ں = قوس

قوس سے مراد اجمال کائنات ہے۔

نقطہ

نقطہ سے مراد حقیقت محمدی ﷺ ہے

حرف ل = الف (ا) اور قوس (ں) دونوں کا مجموعہ ہے۔ دونوں کے ملاپ سے حرف "ل" بن جاتا ہے۔ حروف مقطعات الم جو "سورت بقرہ" کی ابتدا میں وارد ہیں، یہاں اس الف سے مراد اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے، اور قوس سے مراد اجمال کائنات دونوں کے ملاپ سے حروف (ل) وجود میں آیا، اس لئے یہاں اضافت کی بجائے رابطہ کا حرف ہے، لہذا (ل) رابطہ بھی ہے، اور تفصیل بھی۔ جو اسرار مکنونہ کے اظہار کا باعث ہے، اور امام ربانیؒ (ل) سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام لیتے ہیں، جو دائرہ اول کے مرکزی نقطہ کی

تفصیل ہیں،

(مکتوب نمبر ۲۱۱ دفتر اول)

میم اوّل

میم (م) سے مراد حقیقت محمدی ﷺ جس کا اصلی گھر عالم اعلیٰ ہے۔

میم ثانی

میم ثانی سے مراد ذات محمدی ﷺ ہے جس کا گھر کرہ ارض ہے۔

حضور اکرم ﷺ کرہ ارض سے بنی نوع انسان کو اوپر لے جانوالے ہیں اور اوپر لے جا کر اپنی حقیقت محمدی ﷺ سے ملانے والے ہیں۔

غالباً امام ربانیؒ (جن کے علوم نبوت کے بلند آسمان سے نازل ہوتے ہیں)۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، متابعت سنت کے درجہ (چہارم کا رسوخ حاصل ہو جائے تو حروف مقطعات کے علوم) کا حاصل ہونا اطمینان اور صاحب شریعت (حضور اکرم ﷺ) کی حقیقت تک پہنچنے پر منحصر ہے۔

(مکتوب 54 دفتر دوم)

(اس کے علاوہ مکتوب نمبر ۲۱۱ حروف مقطعات کی تفصیل سے لبریز ہے)

امام ربانیؒ قدس سرہٗ کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی سے اخذ کرتے ہوئے ایک حدیث نبوی ﷺ کی تشریح ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

اصحابی کالنجوم با یھم اقتدیتم واھتدیتم

ترجمہ:۔ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

نجم

حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو نجوم کی طرح بیان فرمایا ہے، اور نجوم جمع کا لفظ ہے
، اس کا واحد لفظ نجم ہے، اور اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو نجم کے نام سے یاد فرماتا ہے۔
(والنجم) (سورۃ نجم۔ آیت ۱)

کوکب

نیز اللہ تعالیٰ کائنات کو کوکب کے نام سے پکارتا ہے، یعنی چمکتا ہوا ستارہ
(سورہ نور آیت 35)

اے دوست! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے سامنے اپنی تخلیق کے دو نمونے تیار کر کے رکھ دیئے، تا کہ محبوب اچھی طرح ملاحظہ کر لے، تخلیق کے دو نمونے درج ذیل ہیں۔

۱:۔ نجم ۲:۔ کوکب

1:۔ نجم

نجم سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں۔

2:۔ کوکب

کوکب سے مراد کائنات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے مندرجہ بالا دونوں تخلیقات رکھ دیں، تو حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی منشاء کو اسی طرح پہچانا اور پالیا جس طرح اللہ تعالیٰ کی منشاء تھا پھر اللہ تعالیٰ کے منشاء کو کمال تک پہنچایا۔

اے دوست! وہ منشا کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ اے محبوب! جس طرح (اللہ تعالیٰ) نے تجھے نجم بنایا اور کائنات کو کوکب بنایا ہے، اسی طرح کائنات کا خلاصہ بنی نوع انسان تیرے سپرد ہے، اس بنی نوع انسان کو اپنی مانند نجم بنادے، جس طرح میں (اللہ تعالیٰ) نے تجھے نجم بنادیا ہے۔

۱ حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کام کو سرانجام دے کر اللہ تعالیٰ کی منشاء کو پورا
۲ کر کے اعلان فرمایا اصحابی کالنجوم .... تا آخر
۳ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد اتنا جامع ہے کہ اس کی وسعت حضور اکرم ﷺ کے حین حیات
۴ سے لیکر قیامت تک کے زمانہ پر محیط ہے وہ اس طرح ہے کہ اصحابی کالنجوم کے مندرجہ ذیل
۵ معانی ہیں۔
۶ ا:۔میرے اصحاب وہ ہیں، جو ستاروں کی مانند ہیں۔
۷ ۲:۔میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔
۸ اے دوست! اس حدیث میں اصحاب میں شمار ہونے والوں کا وصف نجم بیان فرمایا ہے،
۹ حضور اکرم ﷺ کا وہ امتی جو نجم کی صورت اختیار کریگا تو حضور اکرم ﷺ کے اصحاب میں
۱۰ شامل ہے، اس
۱۱ معنی اور مفہوم کو حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں فرماتے ہیں:
۱۲ انسان کے اندر جیسا کہ اس کا دل عرش رحمان جل شانہ کا نمونہ ہے، اور اس کا ظہور قلبی ظہور
۱۳ عرشی کا نمونہ ہے، بیت اللہ شریف کا نشان بھی انسان میں ہے، جو درمیان ہے اور
۱۴ بائیں دائیں سے بیگانہ ہے اور حسن سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے، اس دولت عظمیٰ کے
۱۵ اصل مالک تو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اور ان بزرگوں کی امتوں میں سے بطور تبعیت و
۱۶ وراثت جس کو بھی چاہیں، اس دولت سے مشرف فرمائیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام کے
۱۷ اصحاب میں صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ تھی اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بعد گم
۱۸ ہوگئی، اور اب لمبی مدت کے بعد اگر کسی ایک کو اس دولت سے بطور وراثت و تبعیت مشرف
۱۹ فرمائیں، تو وہ غنیمت ہے اور کبریت احمر ہے اور یہ شخص صحابہ کرامؓ کی جماعت میں داخل ہے
۲۰ ، اور سابقین سے ہے اور اس بلند نسبت کا مالک مرکز مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔
۲۱ (مکتوب نمبر 70 دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۱۱۸۰/۱۵۸)

مندرجہ بالا مکتوب کی عبارت میں حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں بھی کوئی شخص صرف صحابی نہیں بلکہ صحابہ کے اس گروہ میں شامل ہے جو سابقین کا گروہ ہے۔

اے دوست! اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو مشن شروع کیا تھا، اب بھی جاری ہے اور حضور اکرم ﷺ کے امتی اور غلام صحابہ کرام رضوانؓ کی جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔

اے دوست! وہ سفر آج (27.08.1996) سے 34 سال پہلے شروع ہوا تھا، اسکا ایک حصہ طے ہو گیا اور بات واضح اور روشن ہو گئی ہے اور قران حکیم وہ لائحہ عمل یا وہ دستوری زندگی ہے جس پر چل کر بنی نوع انسان اصل انسان کی مثل نجم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا اعلاء حضرات صوفیاء کرام اور تحقیق کے میدان میں شامل دوستوں سے گزارش ہے کہ مندرجہ بالا استفسارات اور ان کے ممکنہ حل جو پیش کئے گئے ہیں، اگر قران و حدیث کے قالب میں ہوں تو قبول کر لیں اور اگر ایسا نہ ہو تو راقم کے لئے دعا فرما دیں اللہ تعالیٰ اس عاجز و مسکین کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنی حفاظت میں رکھے اور مجھے اپنے مرشد سے ملحق فرما دے، جن کے ارشادات حضرت خواجہ ناصر الدینؒ کے قول کی تعبیر ہیں، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا قول درج ذیل ہے۔

ہماری زبان دل کا شیشہ ہے، اور دل روح کا آئینہ اور روح حقیقت انسانی کا آئینہ اور حقیقت انسانی حق سبحانہ تعالیٰ کا آئینہ ہے، غیبی حقائق، غیبی ذات سے بڑی دور دراز مسافتیں طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور زبان سے صورت لفظی اختیار کر کے حقائق کی استعداد رکھنے والوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔

جس طرح ''سورہ بقرہ'' قران کریم کا حصہ ہے، اسی طرح سورہ والتین بھی قران مجید کا حصہ ہے، سورہ والتین میں لفظ اسفل سافلین پر مزید دلائل کا آغاز کیا جاتا ہے۔

اے ہمارے پروردگار ہمارے نور کو ہمارے لئے پورا کر دے۔ (آمین)

ربــــنـــا اتـــمـــم لـــنــــا نـــورنــــا

(اقتباس+تمام شد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعہ تاریخِ اشاعت کتاب ھذا

☆

ہیں جناب ِ فضلِ احمد پیکرِ فہم و فراست   خوبیاں ہیں ذاتِ حق سے آپ کو بے حد ودیعت
حضرتِ سید حبیب اللہؒ کی نسبت کی بدولت   آپ کا سینہ بنا ہے مخزنِ دین و شریعت
ہے میسر آپ کو الفت حبیب کبریا ﷺ کی   شاملِ حال آپ کے ہے ربِ دو عالم کی رحمت
ان کے اعلیٰ ذوق کے ہیں معترف اہلِ بصیرت   ہے کسی شک و شبہ سے بالا تر ان کی ثقاہت
یہ نئی تالیف اِن کی نادر و یکتا ہے بے شک   لفظ ہے ایک ایک اس کا ماہتابِ فلکِ عظمت
سورہِ والتین کی تفسیر کا اس میں بیاں ہے   کاشفِ اسرار ہے یہ مظہرِ حق و صداقت
بہرہ ور اس سے یقیناً ہونگے اہل فکر و دانش   گلشن ایمان میں آئے گی اس سے ایک نزہت
عقل والے تو ہیں گے اس کو اک حیرت کدہ ہے   حرزِ جاں لیکن بنا کر رکھیں گے اہل محبت

فکر جب سالِ اشاعت کی ہوئی فیض الا میں کو
ہاتفِ حق کی صدا آئی " گل افشائی اسرار و حکمت "

پیر صاحبزادہ فیض الامین بمقام مونیاں ٹھیکریاں ضلع گجرات

زیرِ قلم کتاب میں اسفل سافلین کے چند حل پہلے بیان ہو چکے ہیں، جو علمی اور عقلی دلائل پر مشتمل ہیں، اگلے صفحات میں اسفل سافلین کی حقیقت کے چہرہ سے حجاب اٹھایا جاتا ہے، تا کہ چہرہ پوری طرح بے نقاب ہو جائے،

اس مقصد کے حصول کے لئے ملکِ کائنات کے نقشہ جات کی مدد سے اسفل سافلین مقام کا محل وقوع سامنے لایا جاتا ہے، تا کہ بے یقینی یقین میں بدل جائے، اور تردد کی بجائے اطمینان حاصل ہو جائے۔

<u>ملک کائنات تین دائروں پر مشتمل ہے، جن کے نام یہ ہیں:۔</u>

۱...... پہلا دائرہ عالم ارواح کا ہے، جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور وہی سب سے اوپر ہے۔

۲...... دوسرا دائرہ عالم اجسام کا ہے، جو عالم ارواح کے بعد پیدا کیا گیا اور یہ عالم ارواح کے نیچے واقع ہے۔

۳...... تیسرا دائرہ عالم آخرت کا ہے، جو عالم اجساد سے ملحق ہے، لیکن اس کا وجود کل قیامت کے دن سامنے لایا جائے گا۔

عالم اجساد دو حصوں پر مشتمل ہے، عالم آخرت اور عالم دنیا، عالم دنیا عالم اجساد کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جس پر کل قیامت کے دن فنا وارد ہوگی، اور یہ چھوٹا سا حصہ ہی سات آسمانوں اور زمین کے سات طبقات اور جو کچھ ان کے درمیان پایا جاتا ہے، اس پر محیط و مشتمل ہے، چونکہ بنی آدم کی تخلیق کرہ ارض پر واقع ہوتی ہے، اس لئے یہ اپنی زندگی کا سفر بظاہر سطحِ زمین پر چلتے پھرتے گزارتا ہے، درحقیقت اس کا سفر دو سمتوں میں جاری ہے، اہل ایمان کا سفر کرہ ارض سے اوپر کی جانب ارض و سماء کی حدود سے باہر جنت الماویٰ میں جانے والا ہے، اور اہل کفر کا سفر نیچے کی طرف ہے جو دوزخ کی طرف جانے والا ہے اور اہل کفر ہی اپنا اصل راہ گم کرنے والے ہیں،

(۱):۔ پہلے مرحلہ میں عالم دنیا کا نقشہ بنایا جائے گا، عالم دنیا میں کرہ ارض کا محل وقوع دکھایا جائے گا، جس سے کرہ ارض سے سات آسمانوں کے اندر واقع ہے، جو آسمانوں کے باہر سے دیکھا جاتا ہے، تو زمین سب سے نچلا طبق ہے، جن کو عربی زبان میں اسفل سافلین کہا گیا ہے۔

(۲):۔ دوسرے مرحلہ میں عالم اجسام کا نقشہ بنا کر اس میں کرہ ارضی کا محل وقوع دکھایا جائے گا، کہ وہ عالم اجسام میں بھی سب سے نچلا طبق ہے۔

(۳):۔ تیسرے مرحلہ میں عالم ارواح کا نقشہ بنا کر اس کے نیچے عالم + اجسام کا نقشہ بنا کر دکھایا جائیگا کہ کرہ ارض کا محل وقوع بھی سب سے نچلا طبق ہے، بلکہ کرہ ارض کسی اصل مقام کا عکس معکوس ہے، اصل مقام عالم ارواح کا سب سے اوپر والا طبق ہے اور کرہ ارض عالم اجسام میں سب سے نچلا طبق ہے، عالم ارواح کا مقامِ ظہور تدلّٰی اصل ہے، نور ہے اور کرہ ارض اس کا ظل معکوس ہے اور خاک ہے۔

عالم دنیا کا نقشہ نمبر 1 نیچے بنایا گیا ہے:۔
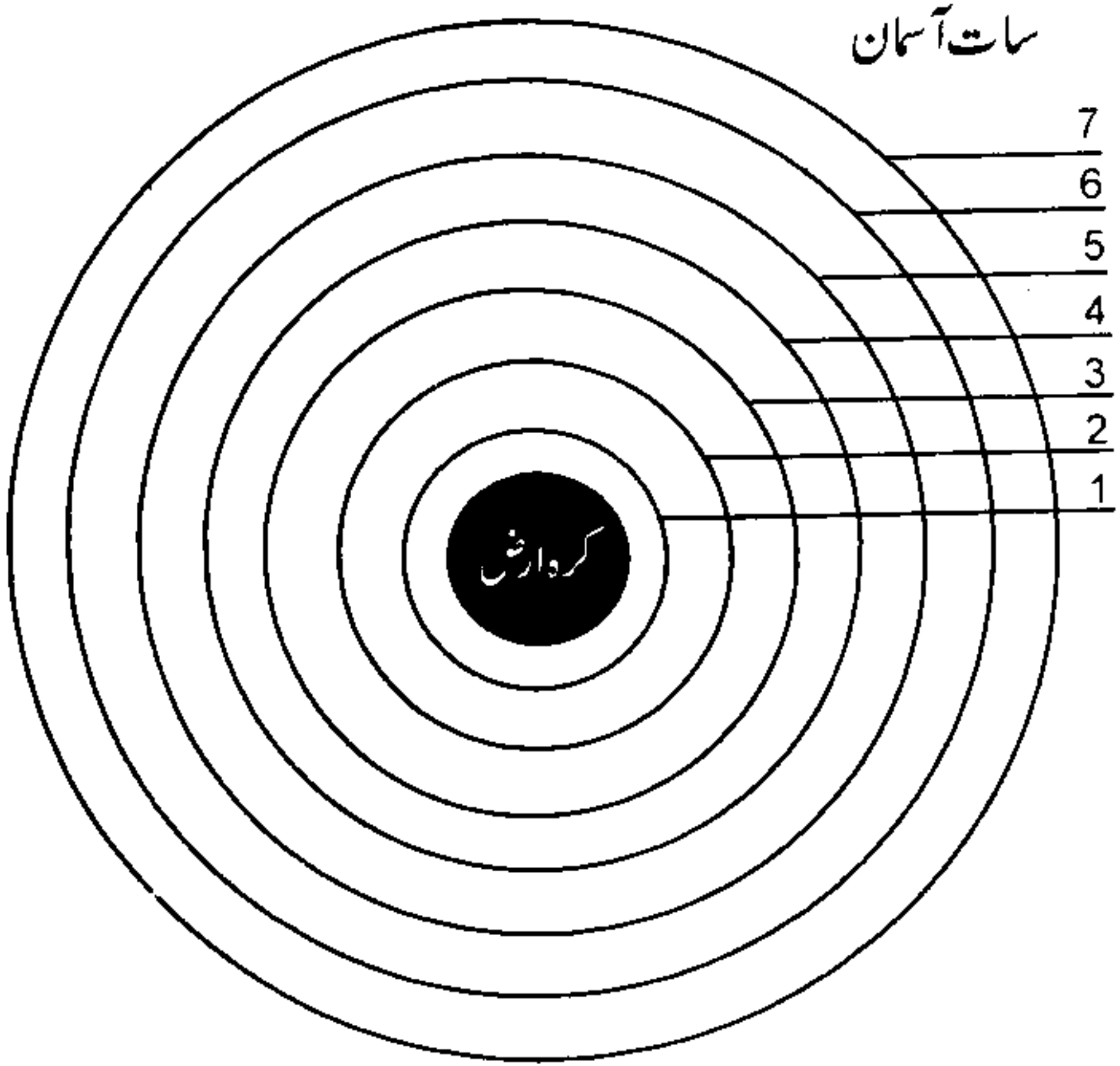
یہ مندرجہ بالا نقشہ 1 میں کرہ ارضی کے اوپر سات آسمان دائرہ کی صورت میں ہیں، تمام آسمانوں کے اندر عین مرکز میں کرہ ارض ہے، حدیث کے مفہوم کے مطابق زمین اور پہلے آسمان کے درمیان (500) پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، پھر ہر آسمان کا دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو (500) سال راستہ ہے، اس طرح زمین سے صعود کر کے ساتویں آسمان کو عبور کرنے کیلئے چار ہزار سال درکار ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے قالب یا اجزائے قالب کرہ ارض سے فرشتے اٹھا کر ارض وسماء کی حدود سے وراء جنت میں لے گئے، جنت میں ہی ان کے ڈھانچہ کو سنوارا گیا۔

نقشہ نمبر 2

عالم اجسام
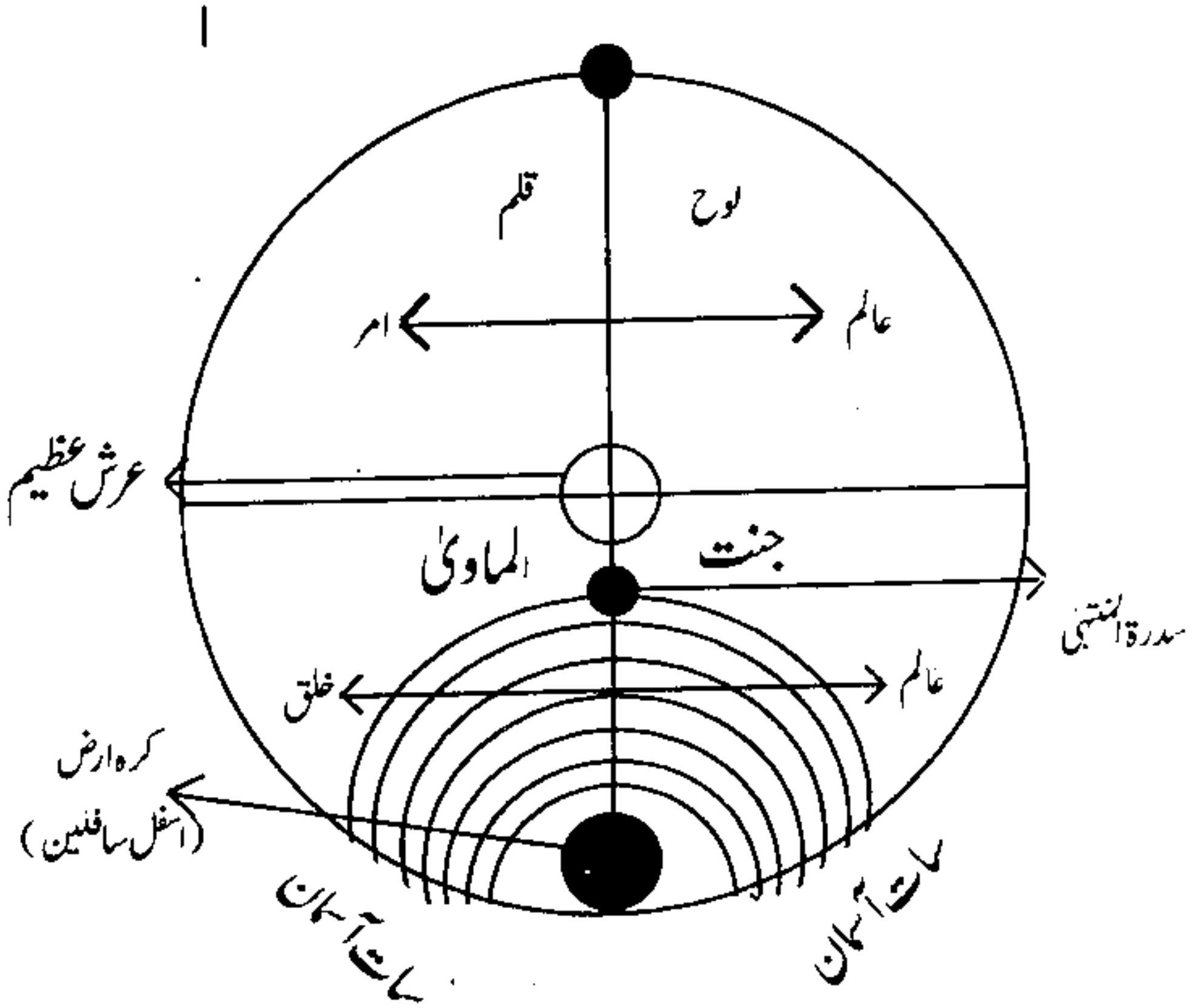
تفصیل اگلے صفحے پر

مندرجہ بالا نقشہ نمبر 2 کی تفصیل یوں ہے:۔

(۱) افقِ اعلیٰ: عالم اجسام کا سب سے اوپر والا کنارہ ہے، جس کو قرآن میں (افقِ اعلیٰ) کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) عرش عظیم: عالم اجسام کا مرکزی مقام عرش عظیم ہے، نصف دائرہ اوپر اور نصف دائرہ نیچے ہے، اور وسط میں عرش ہے، اہل تصوف نے عرش کے اوپر والے حصہ کو عالم امر اور نیچے والے کو عالم خلق بیان فرمایا ہے۔

(۳) اسفل سافلین: عالم اجسام کا سب سے نچلا کنارہ ہے، جس کو قرآن میں اسفل سافلین بیان کیا ہے، جس کا معنی کرہ ارض ہے، اسی کرہ ارض کے عین وسط میں خانہ کعبہ ہے، جس کو زمین کی ناف قرار دیا گیا ہے۔

(۴) جنت الماویٰ: جنت الماویٰ عرش کے نیچے ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ: سدرۃ المنتہیٰ جنت کے نیچے ہے۔

سات آسمان سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ہیں، اور آسمانوں کے نیچے کرہ ارض ہے، جسے نقشہ نمبر 1 میں دکھایا گیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ خانہ کعبہ اور عرش دونوں ایک سیدھ میں ہیں، (اگر عرش سے پتھر کو نیچے پھینکا جائے تو وہ سیدھا خانہ کعبہ پر آکر گرے گا)، جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے، کہ عرش عظیم اور خانہ کعبہ دونوں ایک ایسے خطِ مستقیم پر واقع ہیں۔ جو اتفاقاً واقع ہے، اور یہ خطِ مستقیم ہی پتھر کے نیچے آنے کا راستہ ہے، جس پر چلنے کی درخواست اللہ تعالیٰ کے حضور کی جاتی ہے، چونکہ انسان خلاصہ کائنات ہے، اس لئے انسان کے سینہ کے اندر عین وسط میں ناک کی سیدھ میں اوپر کی طرف جانے والا صراطِ مستقیم پایا جاتا ہے، جو روح کے آنے اور جانے کا راستہ ہے، قالب کے اوپر جانے کا راستہ پتھر کے گرنے والا راستہ ہے۔

مندرجہ بالا نقشہ نمبر 4 عالم ارواح اور نقشہ نمبر 5 عالم اجسام کا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے۔

ح: مقام ظہور تدلیٰ، جو ارواح کا سب سے اوپر والا کنارہ اطبق ہے۔

ز: مقام افق مبین ہے، جو عالم ارواح کا مرکزی مقام ہے، جس کو عرش اعظم کا نام دیا گیا ہے، یہ

عالم ارواح کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، اوپر کا نصف دائرہ تدلیٰ کا اور نچلا نصف دائرہ دنیٰ کا نصف دائرہ ہے۔

د: مقام افق اعلیٰ ہے، جو عالم ارواح کا سب سے نچلا مقام ہے۔

یہاں پر یہ الجھن پیدا ہو جاتی ہے، کہ عالم اجسام کا اوپر والا کنارہ بھی افق اعلیٰ ہے، اور عالم ارواح کا نچلا کنارہ بھی افق اعلیٰ ہے، گویا دونوں دائروں کے ایک ہی مقام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم ارواح اصل ہے اور عالم اجسام اس کا عکس معکوس ہے، جس کی مثال ایسی ہے، جیسے شفاف پانی کے اوپر کوئی شخص کھڑا ہو تو اس کا عکس پانی میں الٹا نظر آتا ہے۔

بعینہ عالم اجسام ہے، (ح) کا الٹا عکس (ج) اور (ز) کا الٹا عکس (ب) ہے، (د) کا الٹا عکس (ا) ہے، اسی طرح عالم ارواح میں مقام افق اعلیٰ اصل اور عالم اجسام میں مقام افق اعلیٰ اس کا عکس معکوس ہے، لہٰذا بالترتیب:۔

نوٹ: (عالم اجسام کا صراطِ مستقیم عالم ارواح کے صراط مستقیم کا عکس معکوس ہے۔) نتیجتاً خانہ کعبہ کے اوپر عرش عظیم اور اس کے اوپر عرش اعظم ایک ہی سیدھ میں واقع ہیں۔

چونکہ (ح) کا الٹا عکس (ج) ہے، (ح) عالم ارواح کا سب سے اوپر والا کنارہ ہے، اور (ج) عالم اجسام کا سب سے نچلا کنارہ ہے، لہٰذا عالم ارواح اور عالم اجسام دونوں دائروں کے تمام مقامات سے سب سے نچلا مقام (ج) ہے، جو کرہ ارض ہے، لہٰذا اسفل سافلین سے مراد کرہ ارض ہے، جب تک قیامت قائم نہیں ہوتی کائنات کے مقامات کے محل وقوع

اسی طرح قائم رہیں گے، جب قیامت قائم ہونے کے بعد میدان حشر میں ہم پہنچیں گے تو اس وقت کائنات کے جملہ مقامات کے محل وقوع بدل چکے ہوں گے۔

ا: جنت جو اس وقت عرش کے نیچے اور آسمان کے اوپر ہے، وہ زمین پر رکھا ہوگا، آج جنت الماویٰ جو ارض و سماء کی وسعت کے برابر ہے، کل حشر کے دن کرہ ارضی پر رکھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حشر کے دن کرہ ارضی کی وسعت کس قدر پھیلی ہوئی ہوگی، جس پر عرش، لوح و قلم

کے دفاتر، جنت الماویٰ اور دوزخ اور میدان حشر اور پوری مخلوق اول سے آخر تک کرہ ارضی پر موجود ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوگی۔

کرہ ارض جس کو اسفل سافلین کیا گیا ہے، جب اس کے محل وقوع کی حقیقت سے آگاہی ہوجاتی ہے، تو تصوف کے وہ مسائل جو الجھن کا باعث تھے، ان کو بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قیوم زمانی رضی اللہ تعالیٰ نے یوں لکھا ہے۔

مفہوم:

"عنصر خاک جس کا مقام سب سے نیچے ہے، لیکن اس کا عروج سب سے بلند قدم رکھتا ہے۔"

یہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا جس کی تفہیم عقلی و نقلی اور علمی دلیل سے مشکل بلکہ ناممکن تھی، جب لیکن یہ راز معلوم ہوگیا کہ کرہ ارض عالم ارواح کے سب سے اوپر والے کنارہ کا عکس معکوس ہے، تو مسئلہ آسان ہوگیا، اس لئے ظل اپنے اصل کی طرف جانے والا ہوتا ہے، چونکہ عنصر خاک سب سے اوپر والے مقام کا ظل ہے، لہٰذا وہ سب اوپر اصل سے واصل ہوتا ہے۔ (کی تفصیل سورہ نجم کی تحقیق کے دوران بیان کی جائے گی)

حضور ﷺ کے اس وجود کی تخلیق جس وجود سے کائنات کے وجود کو مشتق کیا گیا،

اسی تفصیل میں انسان اول، انسان دوم اور انسان سوم کی تخلیق کے مقامات کا ذکر بھی شامل ہوگا، ان مقامات کی نشاندہی اسی عبارت میں کردی گئی ہے۔ بنی آدم کی تخلیق کرہ ارض پر، آدم علیہ السلام کی تخلیق عرش پر اور انسان اول کی تخلیق عرش اعظم پر کی گئی تھی۔

سفرِ شعور

لاشعور سے شعور، پھر شعور سے لاشعور تک

سورہ والتین پر تحقیقی مقالہ کا جب جائزہ لیا جاتا ہے۔تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس سورۃ میں چار شعور کارفرما ہیں۔جن کی نسبت سے سورہ والتین کو چار حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے تاکہ ان چار حصوں اور چار شعوروں میں جو باہمی تعلق اور ربط پایا جاتا ہے اس سے آگاہی ہوجائے۔اس غرض کے لئے پہلے چار شعوروں اور سورہ والتین کے چار حصوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔اس کے بعد ان کے باہمی تعلق اور ربط کی وضاحت ہوگی۔

1......چار شعوروں کا تعارف

الف:۔ شعور (بصارت جو شعور کی ایک حس ہے)

یہ وہ شعور ہے جو انسان سوم کا شعور ہے۔جو بصارت کی صورت میں ہے۔ جو ظاہر کو دیکھنے تک محدود ہے۔جیسے عام انسان (جو قالب اور روح کا جامع ہے)۔ قالب کو تو دیکھ سکتا ہے لیکن روح کو دیکھنے سے عاجز ہے۔انسان سوم کی تخلیق کا مقام کرۂ ارض ہے۔جو کائنات کا سب سے نچلا طبق ہے۔اسی نسبت سے انسان سوم کا شعور بھی سب سے نچلے درجہ کا ہے۔

ب:۔ لا شعور (بصیرت جو لاشعور کی ایک حس ہے)

لاشعور وہ شعور ہے جو انسان دوم کا شعور ہے۔جو بصیرت کی صورت میں ہے ۔جو ظاہر اور باطن دونوں کا مشاہدہ رکھنے والا ہے۔جیسے انسان روح و قالب کا جامع ہے ۔جیسے بصیرت روح کو بھی اسی طرح دیکھتی ہے۔جس طرح بصارت قالب کو دیکھتی ہے

یعنی بصیرت دونوں کو دیکھتی ہے۔ چونکہ انسان دوم کی تخلیق عرش عظیم پر واقع ہوئی تھی۔ جو عالم بالا میں واقع ہے، لہٰذا اسی نسبت سے لاشعور کا مقام تخلیق عرش عظیم ہے۔ جو کرۂ ارضی سے بلند ہے۔ عرش عظیم کرہ ارض سے کتنا بلند ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل حقائق سے کیا جا سکتا ہے۔

فرشِ زمین سے اوپر کی جانب عرش عظیم کے درمیان فاصلہ کا اندازہ یوں ہے:۔

1......زمیں سے اوپر پہلا آسمان پانچ سوؔ (500) سال کا فاصلہ ہے۔

2......پہلے آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ (500) سال ہے۔

3......دوسرے آسمان سے اوپر تیسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی 500 سال کا ہے۔

4......علی حذا القیاس باقی آسمانوں کے درمیان 500 سالوں کے برابر فاصلہ پایا جاتا ہے۔

5......سات آسمانوں کے درمیان پائے جانے والا کل فاصلہ 7x500 = 3500 (تین ہزار پانچ سو سال ہے)۔

6......سات آسمان کی حدود کے اوپر جنت الماوی ہے۔ جس کی وسعت سات آسمانوں اور زمین کے سات طبقوں کے برابر ہے۔ گویا اس کی وسعت کا فاصلہ بھی تین ہزار پانچ سو سال کے برابر ہے۔ اس طرح مجموعی فاصلہ سات ہزار سال کا ہے۔ غالباً سات ہزار سال روشنی کی رفتار والے سال ہیں۔ جسکی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شعور سے لاشعور کا

کتنا بلند مقام ہے۔

(نوٹ) ہر آسمان کی گہرائی بھی (500) پانچ سو سال کے فاصلہ کے برابر ہے، وہ شمار نہیں کیا گیا۔ جس کے شمار سے مجموعی فاصلہ مندرجہ بالا فاصلہ سے دوگنا ہو جاتا ہے۔

عرش عظیم پر انسان دوم کی تخلیق پہلے کی گئی اس کے بعد کرہ ارض پر انسان سوم کی تخلیق کی گئی تھی۔ لہٰذا پہلے لاشعور نے بلندی سے پستی کی جانب سفر طے کیا تھا۔ اس کے بعد شعور نے پستی سے بلندی کا سفر طے کیا۔ پس لاشعور سے شعور پھر شعور سے لاشعور تک سفر واضح ہو گیا۔

ج:۔ تحت الشعور (حکمت جو تحت الشعور کی ایک حس ہے)

تحت الشعور وہ شعور ہے جو انسان اول کا ہے۔ جو بصارت، بصیرت اور حکمت کا جامع شعور ہے۔ چونکہ انسان اول ﷺ کے وجود احمدی کی تخلیق عرش عظیم سے اوپر کے جہاں کے مرکزی مقام عرش اعظم پر واقع ہوئی تھی۔ اور اس کی تخلیق انسان دوم کی تخلیق سے قبل ہوئی تھی۔ جس کے وقفہ کی طوالت کا اندازہ نہیں کہ کتنا عرصہ پہلے ہوئی تھی۔ اور یہ بھی اندازہ نہیں کہ عرش عظیم اور عرش اعظم کے درمیان فاصلہ کتنا ہے۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ کرہ ارض پر خانہ کعبہ اور عالم بالا میں عرش عظیم اور عرش عظیم والے عالم بالا سے بھی بالاتر جہان کا مرکزی مقام عرش اعظم ہے۔ تینوں نیچے سے اوپر تک ایک سیدھ میں ہیں۔ جیسا کہ مقالہ میں بیان ہو چکا ہے۔

چونکہ انسان اول کی تخلیق کائنات کے سب سے بلند مقام پر انسان دوم سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ لہٰذا تحت الشعور پہلے بلندی سے پستی کی جانب سفر طے کر کے

عرش عظیم پر جلوہ گر ہوا تھا۔ اس طرح تحت الشعور اصل ہے۔ اور لاشعور اس کا ظل ہے
۔ اسی طرح لاشعور کا ظل شعور ہے۔

د: شعور ذات سبحانہ تعالیٰ:

اس شعور سے مراد ذات سبحانہ تعالیٰ کا شعور ہے۔ جو احسن الخالقین اور احکم الحاکمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ تصور کیا جاتا ہے۔ کہ جس طرح کرہ ارض پر خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اسی طرح عالم بالا میں عرش عظیم وہ مقام ہے جس پر الرحمٰن استوا فرما ہے۔ اس طرح عرش عظیم سے اوپر کی طرف عرش اعظم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

مندرجہ بالا تین مقام (خانہ کعبہ، عرش عظیم، عرش اعظم) کائنات کی حدود کے اندر واقع ہیں اور حرم ناز جو ذات سبحانہ کا حقیقی مقام تصور کیا جاتا ہے۔ وہ کائنات کی حدود سے وراء ہے۔ باہر ہے باہر اور وراء اللہ تعالیٰ کے اسماء کے جہان ہیں ان سے وراء اللہ تعالیٰ کی صفات کے جہاں میں پھر ان سے وراء اللہ تعالیٰ کی شانوں کے جہاں ہیں پھر ان سے وراء بھی جہان ہیں۔ ان سب سے وراء حرم ناز ہے۔ جس کے مالک ومکیں کا شعور تمام شعوروں کا خالق و مالک ہے۔ احکم الحاکمین ہے۔ یعنی جس قدر جہان ہیں ہر جہان میں کوئی نہ کوئی حاکم ہے ان تمام حاکموں کا حاکم اللہ تعالیٰ ہے
۔

اسطرح یہ واضح ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شعور بلند ترین شعور ہے۔ اور بنی آدم کا شعور پست ترین شعور ہے۔ اور سورہ والتین میں چاروں شعور کارفرما ہیں۔ جن کی نسبت سے سورہ والتین کو چار حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

2:۔ سورۃ والتین کے چار حصوں کا تعارف

پہلا حصہ: سورہ والتین کے اس حصہ میں چار آیات ہیں جن میں انسان سوم کا شعور کارفرما ہے۔آیات 1,2,3 اور 6

دوسرا حصہ: سورہ والتین کے اس حصہ میں دو آیات ہیں (آیات:4,5) جن میں انسان دوم کا لاشعور کارفرما ہے۔

تیسرا حصہ : اس حصہ میں ایک آیت نمبر 7 ہے۔جس میں تحت الشعور (انسان اول کا) کارفرما ہے۔

چوتھا حصہ: اس حصہ میں ایک آیت نمبر 8 ہے۔جس میں حرم ناز کے مکین کا شعور کارفرما ہے

مندرجہ بالا چار حصوں کے تعارف کے بعد ان کے اور شعوروں کے درمیان جو باہمی تعلق اور ربط پایا جاتا ہے۔اسکی وضاحت کی جائے گی۔

سورۃ والتین میں جو شعور کارفرما ہیں ان کی ترتیب یوں ہے۔

1......سب سے بلندترین شعور صاحب حرم ناز کا ہے۔(اللہ تعالیٰ کا شعور)

2......صاحب حرم ناز کے شعور کے نیچے تحت الشعور کا مقام ہے۔(حضور ﷺ کے اسم احمد کا شعور)

3......تحت الشعور کے مقام سے نیچے لاشعور کا مقام ہے۔(حضرت آدم علیہ اسلام کا شعور)

4......لاشعور کے مقام سے نیچے شعور کا مقام ہے۔(بنی آدم کا شعور)

باھمی تعلق کی وضاحت:

سورہ والتین کے پہلے حصہ میں پہلی تین آیات میں جو بات قابل ذکر ہے وہ یوں ہے۔

حرم ناز کے مکین کا شعور بلند ترین شعور اس شعور سے مخاطب ہے جو پست ترین مقام کا ہے (یہ شعور کے لئے کس قدر عزت افزائی کا مقام ہے کہ وہ سچی بات کو تسلیم کرانے کے لئے اس کے اطمینان قلبی کی خاطر چار قسمیں اٹھاتا ہے جسمیں اس کی فلاح ہے۔ وہ سچ ہے حق ہے)۔ جس بات کا ذکر اگلی آیات نمبر 4,5 میں ہے۔

دوسرے حصہ میں پست ترین شعور کو بتایا گیا ہے کہ بلند ترین شعور نے لا شعور کو کس جگہ پر اور کس طرح پیدا کیا تھا۔ جس لاشعور کا ظِل پست ترین شعور ہے۔ اور لاشعور کو عالمِ بالا سے نیچے کس طرح لایا گیا پھر اس لاشعور نے کس طرح شعور کو جنم دیا:۔

سورہ والتین کے پہلے حصہ میں شامل آیت 6 میں بلند ترین شعور پھر پست ترین شعور سے مخاطب ہے کہ تجھے لاشعور نے پستی سے اٹھا کر اپنے اصل مقام پر جو عالم بالا میں ہے۔ کس طرح لایا اور تجھے اپنا قائمقام بنانے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔

3...... تیسرا حصہ میں بلند ترین شعور اپنے سے نچلے تحت الشعور سے مخاطب ہے جو مخلوق کا بلند ترین شعور ہے۔ اس سے مخاطب ہونے کا انداز استفہامیہ ہے۔ کہ اے میرے محبوب شعور یہ تو بتا دیجئے کہ ان تمام واقعات اور حالات کو جو لاشعور کی تخلیق کے دوران پیش آئے تھے۔ ان سب پر تو شاہد ہے۔ لیکن ان کا اظہار پست ترین شعور کے سامنے نہ بیان کرنے میں حائل خدشات وخطرات کیا ہیں؟

جواباً محبوب شعور خاموش ہے۔ اور خاموش اس لئے کہ بلند ترین شعور سے

کوئی بات پوشیدہ نہیں خواہ وہ باطن میں ہو یا ظاہر میں جا کا اثر یہ ہے کہ اگلے حصہ میں بلند ترین شعور خود ہی ان باتوں کا تدارک فرما کر اپنے محبوب شعور کو تسلی دیتا ہے کہ اے محبوب! کسی بھی قسم کے خدشات اور خطرات کو خاطر میں نہ لائیں ان کا تدارک کرنا میرا کام ہے۔ آپ اعلان کر دیں کہ میں ان تمام واقعات اور حالات کو کما حقہ جانتا ہوں اور وہ سب کچھ میرے مشاہدہ میں ہے۔ اس کی روئیداد کی تائید سورہ والتین کے اگلے حصہ میں پائی جاتی ہے۔

4...... چوتھا حصہ میں: وہ بلند ترین شعور اپنی حکمرانی کی صفت کا تعارف کراتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ جس قدر حکمرانوں کے شعور ہیں ان سب پر ہم حاکم ہیں کسی کی کیا مجال کہ آپ کو (تحت الشعور) کوئی نقصان پہنچا سکے۔

چنانچہ احکم الحاکمین کی بے مثل تائید حمایت کے بعد تحت الشعور نے یہ اعلان فرمایا۔ بلیٰ وانا علیٰ ذالک من الشاھین

ترجمہ: ہاں بلاشبہ میں ان تمام واقعات اور حالات کا شاہد ہوں اور میں اکیلا نہیں میرے ساتھ پوری ایک جماعت مشاہدہ کرنے والی ہے۔

خلاصہ: لاشعور کو عالم بالا میں پیدا کیا گیا۔ پھر اس کو عالم زیریں میں لایا گیا۔ عالم زیریں میں شعور نے پرورش پائی اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے عالم زیریں سے عروج کرتے ہوئے عالم بالا میں اس مقام پر جا پہنچا جس مقام پر لاشعور کی تخلیق ہوئی تھی۔ پھر لاشعور کا قائمقام بن گیا۔ اس طرح لاشعور سے شعور تک اور شعور سے لاشعور تک سفر مسلسل جاری ہے۔ اور مشاہدہ کرنے والے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

☆......کائناتی حقائق کے لحاظ سے ہر شعور کے لئے جدا جدا اصطلاح ہے جو درج ذیل ہیں۔

i......بلند ترین شعور (جو خالق ہے) کے لئے...........ذات ازل

ii......تحت الشعور (جو مخلوق (دل) کے لئے...........انسان اول

iii......لاشعور (جو مخلوق ثانی ہے) کے لئے...........انسان دوم

iv......شعور (جو مخلوق ثلث ہے) کے لئے...........انسان سوم

مندرجہ بالا عبارت میں مخلوق کے لحاظ سے انسان کے درجات تین بیان کئے گئے ان کو کس بنیاد پر تین درجہ پر بیان کیا گیا؟

مندرجہ بالا تین انسانوں کو تین درجات پر اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ ہر انسان کی تخلیق کا مقام اور تخلیق کا طریقہ کار جدا جدا ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔

1...... جب ذات اول نے کائنات کے کارخانہ کو وجود میں لانے کا آغاز فرمایا۔ تو سب سے پہلے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس انسان کے وجود سے کارخانہ کائنات کی تخلیق و تعمیر کے وسائل کو مشتق فرمایا۔ پھر ان وسائل سے عالم ارواح کو بنایا۔ عالم ارواح کے مرکزی نقطہ و مقام پر انسان اول کا وجود پہلے قائم ہوا پھر کائنات کا دائرہ اول یعنی عالم ارواح کو قائم کیا گیا۔ جو (جو سورہ نجم کی آیات ہیں، ادنیٰ فتدلیٰ۔ فکان قاب خوسیف) کا مفہوم ہے۔

اس طرح عالم ارواح کا مرکزی نقطہ انسان اول کا وجود ہے۔ اس جگہ کا نام "عرش اعظم" ہے۔ جس کو قرآن کریم میں افق مبین کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

2...... جب ذات اول نے کارخانہ کائنات کی عمارت کو مکمل کرنا چاہا تو

سب سے آخر میں انسان دوم کے وجود کو کارخانہ کائنات سے مشتق کر کے اس کے وجود سے کائنات کی عمارت کو مکمل کر دیا۔ جس مقام پر انسان دوم کو پیدا کیا گیا وہ کائنات کے دائرہ دوم یعنی عالم اَجسام کا مرکزی مقام ہے۔ جس کا نام عرش عظیم ہے ۔ جس کو قرآن کریم نے عرش مجید اور عرش عظیم کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ انسان دوم کی تخلیق کا راز سورہ والتین میں ہے۔

کائنات کا دائرہ دوم عالم ارواح کی نچلی طرف اس طرح واقع ہے جس طرح شفاف پانی کی سطح پر کوئی شخص کھڑا ہو تو اس کا عکس پانی میں الٹا نظر آتا ہے۔ جس کو عربی زبان میں عکس معکوس کہا جاتا ہے۔

چونکہ دائرہ کائنات دوم دائرہ اول کا عکس معکوس ہے اس لئے اس پر ہر شے عالم ارواح کی شے سے الٹی ہے۔ جیسے پانی کے اوپر کھڑے شخص کا سر نیچے اور پاؤں اوپر نظر آتے ہیں۔ بعینہ ایسا ہی معاملہ ہے۔ اور چونکہ عالم اجسام عالم ارواح کے نیچے ہے۔ اور عالم ارواح کی تخلیق کے بعد بنایا گیا تھا۔ اس لئے یہ عالم اجسام تخلیق کے لحاظ سے دوم ہے لہذا اس میں پیدا کیا جانے والا انسان بھی دوم ہے۔ جس طرح عالم اجسام، عالم ارواح کا عکس معکوس ہے اس طرح انسان دوم کا وجود بھی انسان اول کا عکس معکوس و ظِل ہے۔

3...... جب ذات ازل نے کارخانہ کائنات میں عالم دنیا کو پیدا کرنا پسند فرمایا تو اس کی آبادکاری کے لئے کرۂ ارض پر ایسے انسان کو پیدا فرمایا۔ جو اس کام کو انجام دے سکے چنانچہ انسان سوم کو کرہ ارض پر پیدا کیا جو عالم دنیا کا مرکزی مقام ہے ۔ اور عالم دنیا کی حدود ارض و سماء اور جو کچھ ان میں پایا جاتا ہے۔ اس پر مشتمل ہے۔

اور یہ کائنات کے وجود کے اندر چھوٹا سا وجود ہے جیسے مرغی کے پیٹ اور پیٹھ میں اس کا انڈا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ جہاں حجم کے لحاظ سے کائنات کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ اس کا نام عالم دنیا (عالم خورد) رکھا گیا ہے۔ چونکہ کرۂ ارض کائنات کے تمام طبقوں سے نیچے ہے۔ اور انسان کی تخلیق کے لئے تیسرا مقام ہے۔ اسلئے اس انسان کو انسان سوم کہا گیا ہے۔

خلاصہ:

انسان اول وہ ہے جس کی تخلیق عالم ارواح کے مرکزی مقام عرش اعظم پر واقع ہوئی تھی۔ جو سب سے اوپر ہے۔

انسان دوم وہ ہے جس کی تخلیق عالم اجسام کے مرکزی مقام عرش عظیم پر واقع ہوئی تھی جو دائرہ اول کے نیچے واقع ہے۔

انسان سوم وہ ہے جس کی تخلیق عالم دنیا کے مرکزی مقام کرہ ارضی پر واقع ہوئی جو عرش عظیم سے نیچے واقع ہے۔

رسالت مآب ﷺ کے ارشاد گرامی کا مفہوم یوں ہے۔

اگر عرش پر کھڑے ہو کر پتھر کو نچلی طرف پھینکا جائے تو وہ سیدھا خانہ کعبہ پر آ کر گرے گا۔

رسالت مآب ﷺ کے ارشاد سے جو باتیں اخذ ہوتی ہیں:۔

i...... خانہ کعبہ اور عرش اوپر نیچے ایک سیدھ میں ہیں۔

ii...... جس راستہ سے پتھر خانہ کعبہ پر آ کر گرے گا وہ راستہ ایسا سیدھا ہے، جس کو صراط مستقیم قرار دیا گیا ہے۔

(نوٹ): جس طرح خانہ کعبہ کی عین سیدھ میں اوپر کی جانب عرش عظیم ہے۔اسی طرح عرش عظیم کی عین سیدھ میں اوپر کی جانب عرش اعظم ہے۔(مؤلف حبیبی)

انسان کے تین درجات کی مندرجہ بالا ترتیب کائنات کی تخلیق کے لحاظ سے ہے لیکن جب کرہ ارض پر انسان سوم ایمان لا کر اعمال صالح کرتا ہے تو بتدریج ترقی کرتا ہوا پہلے لاشعور کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔پھر لاشعور کے مقام سے ترقی پا کر تحت الشعور کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر منحصر ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ وہ اپنی محنت سے ان بلندیوں تک رسائی حاصل کر سکے۔لہذا سلوک کی منازل طے کرنے والا انسان سوم راہ سلوک میں سفر کرتا ہوا۔لاشعور میں فناد بقا پالیتا ہے۔تو وہ لاشعور کا قائمقام بن جاتا ہے۔پھر جب وہ لاشعور سے اوپر ترقی کرتا ہوا تحت الشعور میں فناد بقا پالیتا ہے تو وہ تحت الشعور کا قائمقام ہو جاتا ہے۔ سلوک کی ترتیب کے مطابق یوں ہے:۔

1......انسان سوم ہی انسان اول کہلاتا ہے۔

2......انسان سوم ہی انسان دوم کا قائم مقام کہلاتا ہے۔

3......انسان سوم ہی انسان سوم کا قائم مقام کہلاتا ہے۔

(نوٹ): امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسان کے جو تین درجات بیان فرمائے ہیں وہ راہ سلوک کے مسافر انسان سوم کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔نہ کہ تخلیق کے لحاظ سے بیاں فرماتے ہیں۔

(مکتوب 30 دفتر سوم)~

(نوٹ) انسان سوم جس سے مراد بنی آدم ہے وہ تین پرتوں کا جامع ہے۔
اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس استعداد کا حامل ہے کہ وہ بتدریج فنا و بقا پاتا ہوا اپنے سے اوپر
کے دونوں درجات کا باری باری نائب و قائمقام بن جاتا ہے۔لیکن انسان اول کی
تخلیق جدا ہوئی تھی اس کے بعد انسان دوم کی تخلیق انسان اول کی تخلیق سے الگ ہوئی
تھی اور انسان سوم کی تخلیق بھی انسان دوم کی تخلیق سے الگ ہوئی۔

(مؤلف جیبی)

تلخیص از تالیف مولف (سفر تخلیق انسان

کائنات و آدم)

مندرجہ بالا تین درجات پر فائز انسان سے جو افراد مراد ہیں ان کے اسماء
گرامی یہ ہیں۔

1......انسان اول سے مراد..........وجود احمد ﷺ ہے

2......انسان دوم سے مراد..........وجود آدم علیہ السلام ہے۔

3......انسان سوم سے مراد..........وجود بنی آدم ہے۔

مندرجہ بالا تین انسانوں کی درجات کے لحاظ سے حیثیت:۔

1:انسان اول ابوالکائنات

2:انسان دوم ابن الکائنات دوسرا نام ابوالبشر

3:انسان سوم ابن آدم دوسرا نام ابوتراب اور ابوتراب سے مراد حضرت علی
ہیں۔

مندرجہ بالا تین انسان اپنے اپنے منصب کے لحاظ سے کائنات کے کارخانہ

میں جن امور پر متصرف اور حاکم ہیں:۔

ذات ازل جو خالق کائنات ہے اس کا اپنا ارشاد ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے۔''بن جا'' (ہوجا) تو وہ شے بن جاتی ہے جس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ ذات ازل اس بات سے منزہ و مبرا ہے۔ اور بلند و بالا ہے کہ وہ کائنات کو بنانے کیلئے اپنے ہاتھوں کو ملوث کرے جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی ملک کا بادشاہ کسی نئے شہر کی تعمیر کا پروگرام بنائے تو وہ متعلقہ افراد کو حکم دے دیتا ہے کہ جو نقشہ دیا گیا ہے ہے۔ اس کے مطابق شہر بسا دیا جائے۔

جب وہ شہر ہر لحاظ سے تیار ہو جائے تو اہل جہاں کسی معمار یا انجینئر کا نام نہیں لیں گے بلکہ اس بادشاہ کا نام لیا جائے گا جس نے شہر کی تعمیر کے لئے تمام وسائل مہیا کیے۔

جیسے لاہور (پاکستان) میں شاہی مسجد اور قلعہ ھیں اسی طرح انڈیا میں +شہر آگرہ کا تاج محل ہے ان کو جن جن بادشاہوں نے بنوایا ان کے ناموں سے منسوب ہیں کسی کاریگر کا نام نہیں لیا جاتا۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے کارخانہ کی عمارت کو خود نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی تعمیر کا کام جس ہستی کے سپرد کیا گیا وہ ہی انسان اول ہے۔

جب کائنات کے کارخانہ کی عمارت مکمل ہوگئی تو اس کارخانہ کو چلانے کیلئے جس انسان کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ وہ ہی انسان دوم ہے۔

چونکہ کارخانہ کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی آدم کے وجود کی پیداوار حاصل کرنا ہے۔ لہذا انسان دوم نے اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ اس کو پورا کرنے کے لئے عالم

بالا (جنت) سے اُتر کر کرۂ ارض پر تشریف لایا۔ تا کہ وہ کائنات کے کارخانہ کے کاروبار کو رواں دواں رکھنے کیلئے افرادی قوت پیدا کرے۔ چنانچہ جس انسان کے سپرد یہ کام کیا گیا وہ ہی انسان سوم ہے۔

جو عالم دنیا میں کرہ ارض کو آباد کرنے میں مصروف ہے اور اسی دنیا میں رہ کر عالم آخرت میں موجود جنت اور دوزخ کو آباد کرنے میں بھی مصروف ہے گویا بنی آدم کارخانہ کائنات کا ادنیٰ کارکن ہے اس لحاظ سے۔

انسان اول...... تعمیر کارخانہ کائنات کا سربراہ ہے۔

انسان دوم...... کارخانہ کائنات کا حاکم (منتظم اعلیٰ) ہے۔

انسان سوم...... کارخانہ کائنات کا ایک ادنیٰ کارکن ہے۔

قیامت کے دن اس کارکن کو ہی اس کی کارکردگی کی اُجرت ملے گی۔ اُجرت دلانے والے تمام انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اُجرت دینے والا خالق کائنات ہے جو ذات ازل ہے۔

(تخلیص از (سفر تخلیق انسان و کائنات دوم)

اور یہی انسان سوم جب ارتقائی منازل طے کرتا ہوا انسان دوم کا قائمقام بن جاتا ہے تو انہی امور کو سرانجام دیتا ہے جن کو انسان دوم انجام دیا کرتا تھا۔ پھر جب وہ مزید ترقی فرما کر انسان اول کا قائمقام بن جاتا ہے۔ پھر وہ بھی ان امور کو سرانجام دیتا ہے۔ جن امور کو انسان اول اصل انجام دیا کرتا تھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب ۱۱۱ دفتر سوم میں واضح کر کے لکھا ہے کہ جب انسان سوم انسان اول کا قائم بن جاتا ہے۔ وہ عارف ہو جاتا ہے۔ نیز قرآن ہم میں عارف کو (طارق) قرار دیا ہے۔ جس کا ذکر سورہ طارق میں ہے۔ (تکملہ حصہ اول

سورہ طارق) ترجمہ وتفسیر علامہ عنایت اللہ المشرقی)

عشق و محبت کے میدان میں جو تصوف کا میدان ہے تین درجات یوں ہیں۔

1......ذات ازل......مقصود

2......انسان اول......محبوب ذات ازل

3......انسان دوم......محب ذات ازل

4......انسان سوم......پیکر محبت

اور یہ محبت تھی جس نے مشقت کا ٹوکرا اپنے سر پر اٹھایا وہ اس طرح کہ جب محبت کا جام پینے سے ارض و سماء نے انکار کر دیا تو انسان نے اس جام کو پی کر عرض کی کچھ اور ۔۔۔ تو ذات ازل نے فرمایا۔ ''انسان حد سے بڑھا ہوا ظالم اور جاہل ہے''۔ یہ مدحت بھی مذمت کے روپ میں اسی کے حصہ میں آئی اور انسان ایسا کیوں نہ کرتا کہ وہ اپنے تن و من سے گزر کر جان و مال پیش کر کے خوش ہوتا ہے۔

تین انسان ہیں اور تین ہی معاہدات ہیں جو کائنات کے اندر طے پائے ۔ پہلا معاہدہ انسان اول سے دوسرا معاہدہ انسان دوم سے تیسرا معاہدہ انسان سوم سے جن کی وضاحت درج ذیل ہے۔

پہلا معاھدہ ...... جب کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا اور عالم ارواح مکمل ہونے والا تھا تو اس وقت عالم ارواح کے مرکزی مقام عرش اعظم پر تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے ایک تحریری معاہدہ طے پایا تھا۔

جو رسالت مآب ﷺ کے وجود احمد کے اور دیگر انبیاء علیہم الصلوہ والسلام

کے درمیان طے پایا تھا۔ جسے میثاق انبیاء قرار دیا گیا ہے۔ اس معاہدہ میں یہ طے پایا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کی معاونت تمام دیگر انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے۔ اس معاہدہ پر تمام انبیاء نے دستخط کئے اور ایک دوسرے کے گواہ بن گئے۔ اس معاہدہ کا سب سے بڑا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔

مؤلف جیبی نہایت ادب سے گزارش کرتا ہے کہ عالم اروح میں عہد نامہ معاونت لیا گیا تھا جو انبیاء علیہم السلام کی عظمت کی پاسداری ہے۔ اور اس وقت کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد تھی۔ اتنی بڑی تعداد کیا اپنی تخلیق کے بعد بے کار رہی اس نے کوئی کام نہیں کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ جماعت کو اس وقت یقیناً کسی عظیم کام کی خاطر پیدا کیا تھا۔

مؤلف کے نزدیک امر عظیم کائنات کی تخلیق ہی تھا۔ جس کام کے سربراہ انسان اول حضرت احمد علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔ یہ پہلا معاہدہ تھا۔

دوسرا معاھدہ ......دوسرا معاہدہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوع جنات و فرشتوں کے درمیان عرش پر طے پایا تھا۔ اور فرشتوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے تابع فرماں رہیں گے۔ اس معاہدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کا اظہار ہے جو فرشتوں پر ان کو حاصل ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں سے کیا کام لیتا تھا جس کے لئے ان کو احکام ماننے کا پابند بنایا گیا تھا۔

مؤلف جیبی بار دیگر پھر گزارش کرتا ہے کہ کارخانۂ کائنات کے کام کو رواں دواں رکھنے کیلئے فرشتوں کے سپرد ذمہ داریاں کیں گئیں تھیں جس کا ثبوت اس

حدیث سے ہوتا ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا کہ

''میرے دو وزیر آسمانوں میں حضرت اسرافیل و میکائیل ہیں اور دو وزیر عالم دنیا میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر خطاب ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بھی چار وزیر تھے۔ دو آسمانوں میں اور دو زمین پر۔ جو امور کائنات کو سرانجام دینے کیلئے مامور و پابند ہیں''۔

تیسرا معاهده...... یہ معاہدہ بنی آدم اور رب العالمین کے درمیان طے پایا تھا۔ اس معاہدے کے طے پانے کے مقام کا تعین درکار ہے۔ لیکن مؤلف کے نزدیک یہ معاہدہ جنت میں طے پایا تھا۔ اس تیسرے معاہدہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اپنی ربوبیت کا اور بنی آدم کو اپنے رب کی ربوبیت کا شکر ادا کرنے کا عہد دلوایا۔

مندرجہ بالا عبارت میں جن جن حقائق کا ذکر کیا گیا ہے ان کی روشنی میں سورہ والتین میں کارفرما چار شعوروں اور سورہ والتین کے چار حصوں میں جو باہمی ربط تعلق ہے اس کی وضاحت لکھی جاتی ہے۔

پہلا حصہ:

1...... ذات ازل کا شعور اس شعور سے مخاطب ہے جو سب سے پست شعور ہے اور ذات ازل کا شعور بلند ترین شعور ہے۔ دونوں کے درجات میں اس قدر فاصلہ (بعد) ہے کہ ارض و سماء کی وسعتیں اس فاصلہ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں بلکہ پوری کائنات کی وسعت بھی اس فاصلہ کے سامنے کوئی وجود نہیں رکھتی۔ اس قدر بلند و اعلیٰ ذات جب شعور (بنی آدم) سے مخاطب ہو کر اس کو یقین دلاتا ہے کہ حضرت آدم (لاشعور) کو جس انوکھے انداز میں پیدا کیا ہے۔ وہ سچ ہے۔ اس کا انکار

نہ کرنا نیز انکار سے روکنے کیلئے چار قسموں کی ہر دور میں ضمانت دیتا ہے۔ جبکہ بنی آدم (شعور) کو جب کوئی ہم مرتبہ وہم درجہ ایک قسم دے دیتا ہے تو وہ اس کی بات کو سچا تسلیم کر لیتا ہے۔ ایسے حالات میں بھی اگر بنی آدم انکار کرتا ہے تو اسکے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جائیگا۔

دوسرا حصہ:

اس حصہ میں ذات ازل نے شعور (بنی آدم) کو لاشعور (آدم علیہ السلام) کی تخلیق کے واقعہ سے آگاہ فرمایا کہ ہم اس کو کرہ ارضی سے اُٹھا کر عالم بالا میں لے گئے۔ پھر وہاں اس کے قالب کو استوار کیا پھر اس میں روح پھونکی تو زندہ ہو گیا۔ پھر اس کو تمام مراحل سے گزار کر واپس کرہ ارضی پر بھیج دیا گیا۔ یعنی لاشعور کو عالم اعلیٰ سے نیچے کرہ ارض پر بھیج دیا۔ پھر لاشعور سے شعور کو پیدا کیا (جیسے آدم سے بنی آدم کو پیدا کیا)

اس طرح لاشعور کا سفر عالم اعلیٰ سے شروع ہو کر عالم زیریں پر تمام ہو گیا۔

پھر شعور (بنی آدم) کو ایمان لانے اور اعمال صالح کرنے کی اجرت کے بدلے میں ہم نے اس شعور (بنی آدم) کو ارتقائی منازل طے کرا کر عالم بالا میں پہنچایا۔ پھر اس کو اس کا قائمقام بنایا۔

اس طرح شعور کا سفر پستی سے اوپر عالم بالا میں جا کر مکمل ہوا تو اس کو ابدی زندگی عطا کر دی گئی ہے۔ جس کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر مقرر کر دیا۔

تیسرا حصہ:

اس حصہ میں ذات ازل اس شعور سے مخاطب ہے۔ جو تحت الشعور (محمد

ﷺ) کا ہے۔ وہ محبوب ذات ازل ہے۔ اپنے محبوب سے استفہامیہ لہجے میں اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ اے محبوب! مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ میں (اللہ) نے کئی بار تاکید کی ہے کہ آپ اس راز کو اعلانیہ بیان کریں ظاہر کریں جس راز کو آپ خوب جانتے ہیں اور راز یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مراحل سے لے کر ان کو ھبوط کر کے کرہ ارض پر آنے کے واقعات اور پھر ان کی امت جو اولاد کی صورت میں ہے ان کے اعمال کے بدلے جو اجر ملتا ہے اس کا مشاہدہ آپ عملاً کرتے ہیں۔ بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرتے ہیں۔

اس راز کو کن خدشات اور خطرات کے باعث اعلانیہ بیان نہیں کرتے اس تاکید کے باوجود بھی حضور ﷺ خاموش رہے وہ اس لئے کہ جن خدشات اور خطرات کا خوف تھا ان کو ذات ازل خوب جانتی ہے۔ لہذا بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے پھر مخاطب ہوتا ہے۔

چوتھا حصہ:

اس حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال جلال کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے محبوب کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ کہ اے محبوب! کیا میں تمام حاکموں کا حاکم نہیں ہوں۔ کون ہے جو میرے ملک میں آپ کے خلاف دم مارے۔ آپ پوری جرأت سے راز افشاں کریں۔

جب رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری جلالت کی ضمانت کا سہارا دیا۔ تو رسالت مآب ﷺ باآواز بلند اعلان فرمایا اور اپنی امت کو اس اعلان کو ہمیشہ جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔ وہ اعلان کیا ہے؟ وہ اعلان یہ ہے

بلیٰ و انا علیٰ ذالک من انشا ھدین

اے میرے صحابہ اور میری امت تم جب بھی سورہ والتین کی تلاوت کرو تو مندرجہ بالا جملہ ضرور پڑھو اور یہ تاکید کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

ہاں (بلا شبہ) اور میں اس پوری داستان پر مشاہد ہوں جو سورہ والتین میں درج ہے اور صرف میں اکیلا ہی مشاہدہ کرنیوالا نہیں ہوں میرے ساتھ پوری ایک جماعت شامل مشاہدہ ہے۔ (تمام شد...... 17-11-2007)

(نوٹ): چونکہ شعور نبوت کا متحمل تحت الشعور ہے لہذا وہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوسکتا ہے چونکہ احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس سے متصف شعور نبوت ہے۔ جو رسالت مآب ﷺ کا شعور ہے۔ لہذا احکم الحاکمین کی صفت سے حضور علیہ السلام متصف ہیں۔

نور علیٰ نور فاؤنڈیشن کے زیر سرپرستی
دیگر تصانیف
۱۔ استفسارات در اسرارِ حبیب حصہ اول
۲۔ استفسارت در اسرارِ حبیب حصہ دوم
۳۔ استفسارت در اسرارِ حبیب حصہ سوم
۴۔ سفر تخلیقِ انسان، کائنات، آدم
۵۔ حقائق سفرِ معراج
۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت وزیر اعظم کائنات
۷۔ چیلنج روح و قالب
نُورٌ علیٰ نُورٍ فاونڈیشن
فضل پلازہ بالمقابل مسجد گلزار مدینہ رام تلائی روڈ گجرات۔
فون 0533-007570 موبائل 0322-6414463